جامعہ مدنیہ (جدید) کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد
عالمِ ربانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ
بانی جامعہ مدنیہ

فروری ۲۰۰۱ء

ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۹ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ - فروری ۲۰۰۱ء شمارہ : ۲

مدیر اعلیٰ

سیّد محمود میاں

مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ______ سالانہ ۱۳۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی ___ ۵۰ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ______ ۶ امریکی ڈالر

امریکہ، افریقہ ______ ۱۶ ڈالر

برطانیہ ______ ۲۰ ڈالر

◯ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ____ سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہو گئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ ____ ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے

دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

پوسٹ کوڈ : ۵۴۰۰۰ فون : ۲۰۰۵۷۷

فون / فیکس نمبر : ۹۲-۴۲-۷۷۲۶۷۰۲

E-mail: jamiamadaniajadeed@hotmail.com

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ	۵
جہاد کے فضائل	مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری	۱۱
دین کے مختلف شعبے	مولانا محمد سلمان منصوری	۱۵
مولانا رحمت اللہ صاحب	حافظ نثار احمد الحسینی	۲۱
دُنیا کے مذاہب میں عورت کا مقام	مولانا محمد نسیم دوتانی	۳۱
مولانا اوکاڑوی مرحوم	مولانا نعیم الدّین صاحب	۳۴
اُستاذ کا مقام	قاری سمیع الحق صاحب	۴۳
مسقط خطرناک سازشوں کی زد میں		۴۷
تقریظ وتنقید		۵۸
اخبار الجامعہ	مولوی محمد قاسم	۶۳

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

سانحہ سقوطِ ڈھاکہ کے ذمّہ داروں کے سیاہ چہروں پر تنی چادر خُدا خُدا کر کے اُتر ہی گئی جب تیس برس پہلے دسمبر ۱۹۷۱ء میں اُس وقت کے سب سے بڑے اسلامی ملک کے ایک حصہ مشرقی پاکستان میں نوّے ہزار پاکستانی فوج کے ہوتے ہُوئے شکست سے دوچار ہونا پڑا اور مشرقی کمان کے فوجی سربراہ کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی نے ڈھاکہ اسٹیڈیم میں ہندوؤں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط ثبت کیے۔ شکست کے دس یوم بعد ۲۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو اس وقت کے پہلے سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر ذوالفقار علی بھٹو نے ایک تحقیقاتی کمیشن سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس حمود الرحمان کی سربراہی میں تشکیل دیا۔ سات ماہ میں کمیشن نے اپنی رپورٹ مرتّب کر کے حکومت کو پیش کر دی۔ حکومت نے اس کو ٹاپ سیکرٹ قرار دے کر انتہائی حفاظت میں رکھ دیا۔ بھٹو حکومت اور اس کے بعد آنے والی اَب تک کی تمام حکومتوں نے زبردست عوامی خواہش کے باوجود اس رپورٹ کے شائع کرنے سے اعراض کیا۔ اب تیس برس بعد جنرل پرویز مشرف کی فوجی حکومت نے اس کے بعض حصّے عوام کے ملاحظہ کے لیے پیش کر دیے ہیں جس میں ہونے والے انکشافات اس قدر شرمناک ہیں کہ یا تو شائع ہی نہ کیے جاتے یا اُن کے ذمّہ داروں کو کمیشن کی سفارش کے مطابق فی الفور قرارِ واقعی سزا دی جاتی تاکہ قوم بھی مطمئن ہوتی اور آئندہ کے لیے بھی ان جیسے قومی سانحوں کا باب بند ہو جاتا، مگر اس کے برعکس سانحہ کے ذمّہ دار تیرہ فوجی

افسران میں سے بارہ کو مکمّل فوجی مراعات کے ساتھ بھٹو حکومت نے ریٹائر کر دیا۔ اُن کی جملہ مراعات کو بعد میں آنے والی ہر حکومت نے برقرار رکھا جو بجائے خود قومی جرم ہے اَب جبکہ موجودہ فوجی حکومت نے اس کو شائع کر ہی دیا ہے تو وہ اس سانحہ کے زندہ کرداروں کو اُن کے عبرتناک انجام تک بھی پہنچائے ورنہ قوم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہو گی کہ ان شیطانی کرداروں کی معنوی اولاد آج بھی زندہ ہے اور سقوطِ ڈھاکہ جیسے مزید سانحے رُونما ہونے ممکن ہیں۔

دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو مفسدین اور منافقین کے شر و فتن سے محفوظ رکھے اور عوام کو صحیح فکر عطا فرمائے تاکہ اس ملک کا اقتدار علماء حق کے مضبوط ہاتھوں میں آکر عدل و انصاف کا بول بالا ہو۔ آمین

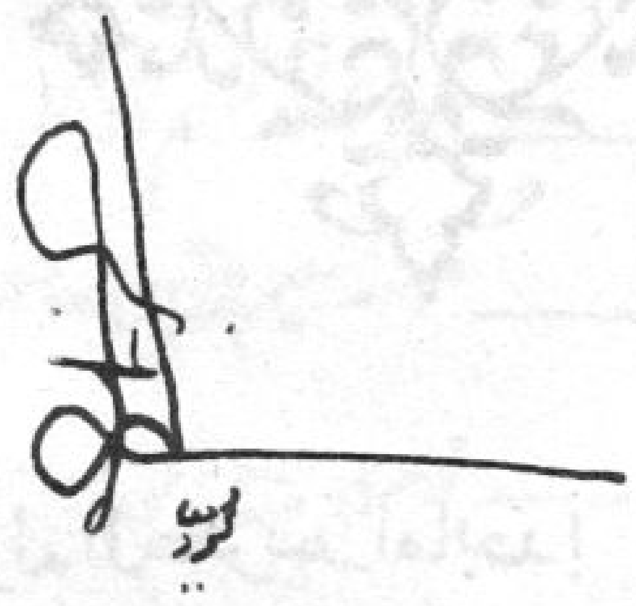

مولای صل وسلم دائما ابدا　　　درس حدیث　　　علی حبیبک خیر الخلق کلھم

سیّدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ

بنو اُمیہ اور تاریخی پس منظر

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

ترتیب و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم

کیسٹ نمبر ۳۰ ، سائیڈ اے ۸۴-۲-۱۷

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

امابعد ! حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں تھا۔ اُن کو شکل و شباہت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت حاصل تھی۔ ایک دفعہ ذکر ہُوا کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اُسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔

عراقی کا سوال حضرت ابن عمر رضؓ کا ردِّ عمل

ایک دفعہ کی بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حج کے لیے گئے یا عمرے کے لیے گئے وہاں ایک شخص مِلا اُس نے ایک مسئلہ پُوچھا اُس نے کہا کہ آدمی احرام کی حالت میں اگر کوئی مکھی مارے تو کیا ہوگا ؟ احرام جو حج یا عمرے کا باندھا جاتا ہے اُس میں آدمی کے لیے شکار کرنا منع ہے اگر وہ کسی شکاری جانور کا شکار کرلے گا تو وہ جانور حرام ہوجائے گا ، کھانے کے قابل نہ رہے گا۔ پھر احرام کی حالت میں خصوصیّت کے ساتھ کچھ احکام الگ ہوجاتے ہیں اس واسطے اُس نے دریافت کیا کہ اگر احرام کی حالت میں کوئی آدمی مکھی مار دے تو کیا ہوگا ؟ معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ آدمی فسادی لوگوں میں سے تھا جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پسند نہیں کیا اور نہ اُن کا سوال پسند کیا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ عراقی شخص ہیں اور یہ پُوچھ رہے ہیں کہ مکھی ماردیں تو کیا ہوگا ؟ معلوم ہوتا ہے کہ تازہ ہی تازہ واقعہ گزرا ہُوا ہوگا۔ اس لیے ذہن مُبارک میں اُن کے اثر زیادہ تھا۔ حالانکہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو شہید کردیا اس (اتنے بڑے جرم) کا تو نہیں پُوچھا کہ اُس

میں کیا ہوتا ہے یا کیا ہوگا ؟ اور ایک مکھی کے بارے میں پوچھ رہا ہے کہ اگر اسے ماردیں تو کیا ہوگا تو مکھی شکاری جانور تو ہے بھی نہیں کہ اس کا شکار کیا جاتا ہو وہ تو حشرات الارض وغیرہ میں داخل ہے حالانکہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا تھا ھما ریحانتی من الدنیا یہ (حسن رضؓ و حسین رضؓ) دونوں کے دونوں بچے دُنیا میں میرے لیے خوشبودار پھول ہیں تو اہلِ عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ بچّوں کو جیسے چُومتے ہیں۔

بچّوں کی صفائی، چُومنا اور سُونگھنا

ویسے سُونگھتے بھی تھے تو بہت صاف بچّے ہوں گے جو سُونگھنے کے قابل ہوں گے تو بچّے بالکل صاف ستھرے ہوں تو پھر سُونگھنے کو دل چاہ سکتا ہے ورنہ کون سُونگھتا ہے تو چُوما بھی کرتے تھے اور سُونگھا بھی کرتے تھے یہ اُن کی ایک عادت تھی اس لیے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں فرمایا کہ ریحانتی یہ دونوں کے دونوں میرے لیے پھول ہیں یا خوشبو ہیں میرے لیے دُنیا کے اندر جو مجھے عنایت ہُوئی ہے تو جنھیں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اتنا محبوب رکھا اُن کو اِن لوگوں نے شہید کردیا۔

یزید کی خلافت بالاتفاق نہ تھی تین بڑے شہر والوں نے تسلیم نہ کی

یہ واقعہ ۶۱ھ میں پیش آیا ہے یزید کی خلافت کے بعد اور یزید کی خلافت جو ہُوئی ہے وہ بالاتفاق ہُوئی بھی نہیں۔ تین شہر تو ایسے تھے کہ جنھوں نے اس کو کسی طرح سے مانا ہی نہیں مکّہ مکرّمہ، مدینہ منوّرہ اور کُوفہ یہ علاقے جو تھے یہاں کے بسنے والے، اہلِ علم، اہلِ رائے جو حضرات تھے اُنھوں نے یزید کے بارے میں کبھی اچھی رائے نہیں رکھی اور یہ پسند نہیں کیا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد قائم مقام ہو۔

بنواُمیّہ کی ذہانت، نبی علیہ السّلام سے مقابلہ، تاریخی پس منظر

دوسری طرف ایک صُورت یہ بھی ہُوئی تھی کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دَور میں بھی یہ جو بنواُمیّہ تھے یہ ذہین شمار ہوتے تھے اور یہ ہی بالمقابل رہے ہیں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے۔ حضرت ابوسفیان رضؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بالمقابل رہے ہیں حتّٰی کہ مکّہ مکرّمہ فتح ہُوا اور حضرت ابوسفیان رضؓ فرماتے ہیں۔ بخاری شریف میں ایک جگہ آیا ہے یہ جُملہ ادخل اللہ علیّ الاسلام وانا کارہٌ اللہ نے میرے اُوپر اسلام داخل فرما ہی دیا اور میں ناپسند کرتا تھا کہ اسلام میں داخل ہوں تو وہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مدِّمقابل اور کامیاب سیاستدان بڑے سمجھدار بڑے مدبّر جب یہ اسلام میں داخل ہُوئے تو آقائے نامدار جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ مدار اصل میں دین کی سمجھ داری پر ہے دین کی سمجھ کا ہے کہ دین کو کون شخص کتنا صحیح طرح سمجھتا ہے

وہ چیدہ آدمیوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔ خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا جو زمانہ جہالت میں چیدہ چیدہ لوگ تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی چیدہ چیدہ ہی شمار ہوں گے جب وہ دین کی گہری سمجھ حاصل کرلیں، تو مدار ہوا دین کی سمجھ حاصل کرنے پر تو یہ حضرات جب اسلام میں داخل ہوئے اور اُنہوں نے توجہ دی پُوری تو پھر یہ سمجھ داری میں آگے بڑھتے چلے گئے اور طرزِ حکومت اور حکمرانی یہ بھی یہ لوگ جانتے تھے تو بنو اُمیّہ والے لوگوں کو جو ۸ھ میں مُسلمان ہُوئے۔ رسول کریم علیہ الصّلٰوۃ والسّلام نے خود حاکم بنا کر بھیجا ہے متعدد جگہوں پر اور ان لوگوں نے اسلام میں داخل ہونا اس سے پہلے بھی شروع کیا تھا۔ سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بالکل شروع میں مُسلمان ہُوئے تھے حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ جو صلح حُدیبیہ ۶ھ میں ہُوئی ہے۔ ہجرت کے چھٹے سال اُس کے بعد مُسلمان ہوگئے تھے یہ بھی بنو اُمیّہ ہی میں تھے۔

نبی علیہ السّلام سے بنو اُمیّہ کی رشتہ داریاں

اور اُن کی رشتہ داریاں ہیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو اُم المومنین ہیں اور حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما کی بھی خالہ ہیں۔ یعنی ایک بہن جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس تھیں اور اُن کی ہمشیرہ حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ سے بیاہی گئیں جو چچا ہیں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے۔ یہ ابوسفیانؓ ہیں، مقابل ہیں بڑے شدید ہیں بڑے باتدبیر ہیں سب کچھ ہے اور اُن کی بیٹی مُسلمان ہوگئیں۔ شروع میں اپنے شوہر کے ساتھ مُسلمان ہوگئیں اور ایسی پکّی مُسلمان ہُوئیں کہ اُن کے ساتھ ہجرت کی اور جب وہ وہاں جاکر عیسائی بنے تو یہ عیسائی نہیں بنیں یہ مُسلمان رہیں۔ حضرت اُم حبیبہؓ جب ہجرت سے واپس آئی ہیں تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نکاح میں آگئیں ازواجِ مطہرات میں یہ سب کے سب رشتے ہیں وہ جو بنو اُمیّہ سے تھے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دو داماد ہوگئے ایک حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ ہوگئے اور ایک حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ یہ بنو اُمیّہ میں سے تھے اور رشتہ داریاں تھیں ان کی اور سماج، انداز سوچنے کا، رہنے کا تمام چیزیں سب ملتی جلتی تھیں بات صرف یہ تھی کہ یہ عقائد مانتے ہیں یا نہیں مانتے۔

سمجھ داری میں کمی کوئی نہیں تھی اُن میں بات تھی اسلام قبول کرنے کی یہ قبول کرتے ہیں یا نہیں تو جب اُنہوں نے قبول کرلیا اسلام تو آپ نے یہ فرمادیا بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ مدار جو ہے وہ تو یہ ہے کہ کسی چیز کو کوئی سمجھتا ہے تو کتنا سمجھتا ہے۔ صحیح طرح جو سمجھ سکے کسی چیز کو وہ اُس کا ماہر ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام۔

زمانہ جہالت میں جو اُن میں چیدہ چیدہ اور بہترین لوگ تھے وہ اسلام میں بھی بہترین لوگ شمار ہونگے اذا فقھوا جب وہ دین کی گہری سمجھ حاصل کرلیں تو دین کی گہری سمجھ حاصل کرنے پر اس کا مدار ہے تو یہ حضرات اسلام میں داخل ہوئے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو حکومت کے کام بھی سُپرد کرنے شروع کردیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار بن گئے اور پھر جو علاقے فتح ہوگئے ۔ وہاں عامل بنا کر بھیجنے کی ضرورت ہُوئی تو یہ لوگ وہاں بھیجے گئے ۔ خود ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک جگہ کا عامل بنا کر بھیجا تھا ۔ اس کی لسٹ موجود ہے ۔ حدیث کی کتابوں میں تاریخ کا جو حصّہ ہے وہاں وہ موجود ہے یہ حیات طیّبہ میں ہُوا ہے ۔ بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اُنھوں نے انہیں اپنی فوجوں کا چارج دے دیا جو عراق کی طرف بھیجی ۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور پھر شام کی طرف جو بھیجی تھیں اُن کا چارج دے دیا تو گویا آگے بڑھے بنو اُمیہ ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا شام کا علاقہ فتح کرنے میں یہ لوگ اور بھی آگے بڑھ گئے ۔

گرم جوشی کی ایک وجہ

اس کی وجہ مَیں نے شاید پہلے بھی ذکر کی ہو کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے اور اندر اطلاع بھجوائی اُن کے خادم سے کہ جاؤ بتلادو مَیں ملنے آیا ہوں اور اُن کے ساتھ کچھ اور بھی بڑے بڑے لوگ تھے اپنے ہی خاندان کے انھوں نے کہا کہ وہ مصروف ہیں آپ ٹھہریں بعد میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ آئے تو اُنھوں نے اجازت چاہی تو انھوں نے فورًا بلالیا گویا جو کام کررہے تھے اُس کے درمیان اُن کو بلالیا ان کو نہیں بلایا کام مؤخر کردیا یا چھوڑ دیا جیسے بھی ہُوا بہر حال یہ آگے پیچھے ہونا کہ جو پہلے آیا ہے اُسے روک دیا جو بعد میں آیا ہے اُسے فورًا بلالیا یہ بڑی بے عزّتی ہے ایسے بڑے لوگوں کے لیے تو اگر یہ پکے مُسلمان نہ ہُوئے ہوتے تو بددل بہت ہوتے لیکن جب اسلام قبول کیا تو تھوڑے عرصے بعد آہستہ آہستہ وہ راسخ ہوتا چلا گیا چنانچہ جو لوگ فتح مکّہ کے موقع پر مُسلمان ہُوئے یا اور موقعوں پر مُسلمان ہُوئے اُن کے بارے میں الفاظ آتے ہیں حسن اسلامھم اسلام قبول کیا اور اُن کا اسلام اچھا رہا یعنی کسی قسم کی ایسی بات نہیں ہُوئی جو اسلام کے خلاف ہوتی ہو ۔

عبرت اور تلافی کی فکر

تو اُنھوں نے بُرا اثر لینے کی بجائے ایک عبرت پکڑی اُس سے ۔ اُنھوں نے کہا اپنے ساتھیوں سے کہ دیکھو ہماری غلطی ہے اگر ہم پہلے سے اسلام میں داخل ہوتے تو ہمیں وہ بات نہ سُننی پڑتی تو ہم بہت پیچھے رہ گئے تو اس کی تلافی کی جانی چاہیے تو تلافی کی صُورت کیا ہو ؟ پھر اُنھوں نے بتلایا کہ

تلافی کی صُورت میرے ذہن میں یہ آتی ہے کہ ہم اسلام کی خدمت زیادہ کریں اور وہ اس طرح کہ جہاد میں ہم لوگ شامل ہوں چنانچہ یہ شام کا علاقہ جو فتح ہُوا تھا اس میں یہ لوگ آ گئے اور جب ضرورت پڑتی تھی کمک کی کہ مدد جائے یہاں تو اس میں یہ لوگ زیادہ شامل ہوتے تھے اسی طرح سے اُنھوں نے یہ علاقے فتح کیے شام وغیرہ کے اور جب فتح ہو گئے علاقے تو اُس کے بعد وہاں گورنر کی ضرورت تھی تو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے وہاں گورنر بنایا ہے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید ابنِ سفیان کو وہ بھی صحابی تھے رضی اللہ عنہ تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ اُن کی نظر میں وہ اتنی بڑی قابلیت کے آدمی تھے کہ ایک نئے علاقے کو جو بہت مہذّب تھا بڑا ترقی یافتہ علاقہ تھا دو سُپر پاوریں تھیں اُس وقت ایک ایران کی اور ایک یہ شام کے لوگ تو یہ ایک سُپر پاور جب زیر ہُوئی تو اُس کے تمام باشندوں کو کنٹرول میں رکھنا اُن پر اپنے اثرات بٹھانا، کام صحیح طرح انجام دینا اس کے لیے وہ اہل سمجھے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اُن کو آگے بڑھایا۔ اُن کی (یزید بن سفیانؓ) وفات ہو گئی تو حضرت معاویہؓ کو مقرر کر دیا اور اُن کی باتوں پر اعتماد فرماتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو بہت چھوٹی چھوٹی شکایتیں ہوتی تھیں ان پر معزول کر دیتے تھے گورنر کو۔ اگر کسی گورنر نے دربان مقرر کر لیا ہے اُسے معزول کر دیتے تھے۔ کسی نے باریک کپڑے پہن لیے ہیں اُسے بھی معزول کر دیتے تھے۔ حالانکہ باریک کپڑے پہننے کوئی بُری بات نہیں ہے کوئی ریشم تو نہیں ہے شرعًا منع تو نہیں ہے مگر بالکل پسند نہیں تھا کہ آرام طلبی آئے، تعیش آئے اُسے معزول کر دیتے تھے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو نہیں معزول کیا وہ اُسی طرح رہے اور رعایت کا اُن کے ہاں کوئی سوال ہی نہیں تھا اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ پُورے اس معیار پر جمے رہے جو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا اور دَورے بھی کیے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دَور میں اُس طرف گئے بھی ہیں دیکھے بھی ہیں ملے بھی ہیں باتیں بھی کیں۔ سوال جواب بھی ہُوئے ہیں۔

مصلحت کی رعایت

وہاں گئے تو استقبال کیا اُنھوں نے۔ انھوں نے کہا کہ یہ کیوں کیا ؟ اُنھوں نے کہا یہ ایسی جگہ ہے کہ جہاں دُشمنوں کے جاسوس بکثرت ہیں اور یہ ذرا ذرا سی بات وہاں پہنچاتے ہیں تو مَیں نے پسند نہیں کیا کہ ہمارا امیر المؤمنین آئے اور اُس کے بارے میں یہ لوگ یہ اثر لیں کہ ہم نے اس کا اہتمام ہی نہیں کیا پروا ہی نہیں کی بالکل اس لیے مَیں نے ایسے کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو جواب دیا فرمایا کہ تم نے بات ایسی کہی ہے کہ مَیں اس کے بارے میں کیا کر سکتا ہوں یعنی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ مطلب یہ کہ یہ بات تو مجھے پسند نہیں ہے مگر وجہ تم نے ایسی بتلائی ہے کہ اُس کی وجہ سے مَیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا منع بھی نہیں کر سکتا

وہ بھی اسلام کی حکمتوں میں سے ایک حکمت تھی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دَور آیا اُس دَور میں رہے تو بنواُمیہ بہت بڑھ گئے۔ پہلے ہی بڑھے ہُوئے تھے اب وہ جم گئے ایک طرح سے۔ اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دَور آیا اُس میں کشمکش تھی پھر اُن کی وفات ہوگئی شہادت ہوگئی۔

اصل مضمون کی طرف رجوع

حضرت حسن رضؓ نے حکومت ہی کی قربانی دے دی سب سے بڑا کام بہت بڑا کام۔ اسی وجہ سے اُن کا نام بڑا سمجھا گیا۔ درجہ اُن کا بڑا سمجھا گیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت کیونکہ اُنھوں نے قربانی میں حکومت چھوڑ دی تاکہ مُسلمانوں کی لڑائی ختم ہوجائے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پیش کش کی ہے مگر یہ پیش کش نہیں کی کہ مَیں بھی حکومت سے دست بردار ہوجاؤں گا اگر تم کہتے ہو تو یہ پیش کش نہیں کی تو اُنھوں نے پھر دَور گزارا اٹھارہ سال کا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پُوری حکومت کے حکمران تھے اَب جب اِن کی وفات کا وقت آتا ہے تو پھر اُنھوں نے یہ سوچا کہ اگر اتنے عرصے اس خاندان کی حکومت کے بعد اس خاندان کے علاوہ کوئی اور آدمی آئے گا تو اُس کی یہ جو ہمارے خاندان کے بڑے بڑے لوگ ہیں افسران ہیں گورنر ہیں وغیرہ وغیرہ اطاعت پر تیار نہیں ہوں گے اور اگر اطاعت نہ ہو تو کام ٹھیک چلتا ہی نہیں حکومت کا اس قسم کی چیزیں انھوں نے سوچیں اور یزید کے لیے پھر اُنھوں نے سوچا اور زمین ہموار کی باقی باتیں انشاء اللہ اگلے درس میں ہوں گی۔

قارئین انوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ انوارِ مدینہ کے وہ ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ ارسال کیا جارہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہُوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جو ایک دینی ادارہ سے وابستہ ہے اس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اور اس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہُوئے اپنا چندہ بھی ارسال فرمادیں اور دیگر احباب کو بھی اس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ جہاں اس سے ادارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے۔ (ادارہ)

جہاد کے فضائل

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

حضرت ابو ہریرہ، حضرت سہل بن سعد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام کو نکلنا ساری دُنیا اور دُنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ضرور میری خواہش ہے کہ مَیں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں ——— پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت عبد الرحمٰن بن جبیر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلودہ ہو گئے اُسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔ (بخاری ص ۳۹۴ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جو بھی کوئی شخص جنّت میں داخل ہوگا وہ دنیا میں واپس آنے کی آرزو نہ کرے گا۔ خواہ اس کو وہ سب کچھ مل جائے جو دُنیا میں ہے سوائے شہید کے۔ وہ وہاں جو اپنا اعزاز دیکھے گا اس کی وجہ سے آرزو کرے گا کہ دُنیا میں واپس چلا جاتا اور دس مرتبہ قتل کیا جاتا۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۵ ج ۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن ایک رات اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت میں گزارنا ایک ماہ کے روزے رکھنے اور راتوں رات ایک ماہ نمازوں میں قیام کرنے سے بہتر ہے اگر یہ شخص اسی حالت میں وفات پا گیا تو (ثواب کے اعتبار سے) اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو عمل وہ کیا کرتا تھا اور اس کا رزق جاری رہے گا اور (قبر میں فتنہ ڈالنے والوں سے پُرامن رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۲ ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا جو شخص اس حال میں مرگیا کہ اس نے جہاد نہیں کیا اور اُس کے نفس میں جہاد کا خیال بھی نہ آیا تو وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرگیا۔

(صحیح مسلم ص ۱۴۱ ج ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ راہ میں زخمی ہوا اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے تو وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خُون بہہ رہا ہوگا رنگ تو خُون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔

(صحیح بخاری ص ۳۱۳ ج ۲ صحیح مسلم ص ۱۲۳ ج ۲)

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے۔ ایک شخص نے جہاد کے لیے ایک اونٹنی پیش کردی جس کو مہار لگی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تیرے لیے اس کے عوض قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ہوں گی ہر ایک کو مہار لگی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۱۳۷ ج ۲) یعنی مہار لگی ہوئی سات سو اُونٹنیاں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا۔)

جہاد میں شرکت کے لیے جانے والے کو سامان دے دینا جس سے وہ جنگ کرے اور کھاتے پیئے اس کا بھی بہت بڑا ثواب ہے۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کہ جس نے کسی فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کو سامان دیا اس نے (بھی) جہاد کیا اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے گھر والوں کی خدمت میں خیر کے ساتھ رہا اس نے بھی جہاد کیا۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۹ ج ۱)

دُشمنانِ اسلام نے مکروہ طریقہ پیش کیا ہے اسلام کو اوّل تو اسلام کی دُشمنی میں اسلام کی دعوت کو نہیں سمجھتے۔ اسلام کی دعوت یہ ہے کہ سارے انسان اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانیں اس کے سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لائیں، خاتم النّبیین محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ کا نبی اور رسول مانیں، قرآن پر ایمان لائیں اور محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کی طرف سے جو شریعت پیش کی ہے اس کو مانیں جو شخص یہ سب قبول کرے گا وہ مسلم ہوگا۔ اللہ کا فرمانبردار ہوگا۔ مستحق جنّت ہوگا اور جو شخص اس دین و شریعت کو قبول نہ کرے وہ کافر ہوگا، مستحق دوزخ ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ آگ کے دائمی عذاب میں رہے گا

جب مُسلمان کافروں سے جنگ کریں تو اُنہیں پہلے اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو کوئی لڑائی نہیں، جنگ نہیں، قتال نہیں، اگر اسلام کو قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کو کہا جائے گا۔ پھر اگر جزیہ

دینا بھی قبول نہ کریں تو جنگ کی جائے۔ جہاد کا مقصودِ اعلیٰ کافروں کو دینِ حق کی طرف بلانا ہے تاکہ وہ جنّت کے مستحق ہوجائیں اگر جنگ کرکے کسی قوم کو دوزخ سے بچاکر جنّت میں داخل کردیا تو اس میں اُن کے ساتھ احسان ہی کیا، کسی قوم کے تھوڑے سے افراد جنگ میں کام آگئے اور اکثر افراد نے اسلام قبول کرلیا تو مجموعی حیثیّت سے اس قوم کا فائدہ ہی ہُوا۔ اگر کوئی قوم اسلام قبول نہ کرے اور جزیہ دینے پر راضی ہوجائے اور اس طرح مُسلمانوں کی عمل داری میں رہنا قبول کرے تو اس میں بھی اس قوم کا فائدہ ہے کہ دُنیاوی اعتبار سے اُن کی جانیں محفوظ ہوگئیں اور آخرت کے اعتبار سے یہ فائدہ ہوا کہ اُنھیں دین اسلام کے بارے غور کرنے کا موقعہ مل گیا۔ مُسلمانوں کی اذانیں سُنیں گے۔ نمازیں دیکھیں گے۔ مُسلمانوں کا جو اللہ سے تعلّق ہے اور جو مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات ہیں وہ سامنے آئیں گے۔ مُسلمانوں کے زہد و تقویٰ سے متأثّر ہوں گے اس طرح سے اقرب ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں اور کُفر سے بچ جائیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہوجائیں۔ رہا جزیہ تو یہ ان کی جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہے اور وہ بھی سب پر نہیں ہے اور زیادہ نہیں ہے اس ساری تفصیل سے سمجھ لیناً چاہیے کہ جہاد میں کافروں کی خیرخواہی پیشِ نظر ہے اگر کافروں کی کوئی جماعت اسلام بھی قبول نہ کرے اور جزیہ دینا بھی منظور نہ کرے تو اُن کے ساتھ جنگ اور قتل و قتال کا معاملہ ہوگا۔ کافر اللہ کا باغی ہے۔ کُفر بہت بڑی بغاوت ہے۔ مجازی حکومتوں میں سے کسی حکومت کی کوئی فرد یا جماعت بغاوت کرے تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے اللہ کے باغی جو اس کی زمین پر بستے ہیں اس کا دیا کھاتے ہیں اس کی عطا کی ہُوئی نعمتیں کام میں لاتے ہیں اللہ پر ایمان نہیں لاتے اگر اللہ کو مانتے ہیں تو اُس کے ساتھ غیراللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ بُتوں کو پُوجتے ہیں اور بہت سے خُدا مانتے ہیں ایسے لوگ اس قابل کہاں ہیں کہ خدا کی زمین پر زندہ رہیں، اللہ کے وفادار بندے جنھوں نے اللہ کے دین کو قبول کرلیا۔ اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر ان باغیوں کے منکر ہونے کے بعد اللہ کے وفادار بندے ان کو قتل کردیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟

دُنیا سے کُفر و شرک مٹانے کے لیے اور خالق و مالک جلّ مجدہٗ کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے جو اسلام میں جہاد شروع کیا گیا ہے اس پر تو دُشمنوں کو اعتراض ہے لیکن صدیوں سے دشمنانِ اسلام خاص کر یورپ کے لوگ جو ایشیا کے ممالک پر قبضہ کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو لاکھوں کروڑوں خُون ہُوئے ہیں۔ اٹھارہ سو ستاون میں جو انگریزوں نے ہندوستانیوں کا قتلِ عام کیا ہے اور ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں جو عالمی جنگیں ہُوئی تھیں اور ہیروشیما پر جو بم پھینکا گیا اور ایک طویل زمانہ تک جو صلیبی جنگیں ہُوئی ہیں جن میں لاکھوں انسان تہ تیغ ہُوتے یہ سب کچھ کون سی خیر پھیلانے کے لیے

ہُوا ؟ کیا اس میں ملک گیری کی ہوس اور کفر و شرک پھیلانے کے عزائم اور دینِ اسلام کو مٹانے کے ارادے نہیں تھے ؟ یہ ان لوگوں کی حرکتیں ہیں جو سیّدنا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے نسبت رکھنے کے جھوٹے دعوے دار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تعلیم یہ تھی کہ کوئی شخص تمہارے رُخسار پر ایک طمانچہ مارے تو دوسرا رُخسار بھی اس کے سامنے کر دو اور مُشرکینِ ہند کو دیکھو جن کے یہاں ہتھیا کرنا بہت بڑا پاپ ہے جو چُوہا مارنے کو بُرا جانتے ہیں وہ مُسلمانوں کے خُون کے پیاسے ہیں اور برابر فساد کرتے ہیں اور قتل و خُون کا بازار گرم کرتے رہتے ہیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے اپنے آئینہ میں اپنا مُنہ نہیں دیکھتے اور جو لوگ اللہ کے باغی ہیں اُن کی بغاوت کو کچلنے والوں کے جہاد اور قتال پہ اعتراض کرتے ہیں، سچ ہے ؎

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پروا ہے؟
غلط الزام بھی اوروں پر لگا رکھا ہے!
یہ ہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

انوار مدینہ میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

مولانا مفتی محمد سلمان منصورپوری

دین کے مختلف شعبے

✼*✼

دین کے کام بہت ہیں اسی اعتبار سے دینی خدمت کے شعبے بھی بے شمار ہیں۔ ہر شعبہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے ناگزیر بھی ہے اور لائق توجہ بھی ہے۔ ضروری ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں یہ سب لازمی شعبے زندہ رہیں اور ان پر محنتیں کی جاتی رہیں۔ مثلاً چند شعبوں کے عنوانات یہ ہیں۔

الف: اصلِ دین کا تحفظ

یہ عنوان بہت عام اور جامع ہے۔ اس کے تحت میں وہ تمام ضروری خدمات آئیں گی جو دین کی تعلیم سے متعلق ہیں اور اس عنوان کا مرکزی محور یہ ہوگا کہ جو دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں لے کر تشریف لائے اور جو ہم تک آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر علماء وصلحاء کے مستند واسطہ سے پہنچا اس کو بلا کم وکاست محفوظ رکھا جائے۔ یہ وہ بُنیادی خدمت ہے جس کے ذریعہ یہ دین آج تک عالم اسباب میں محفوظ رہا ہے۔ پھر اس خدمت کے شعبے در شعبے ہوتے چلے جائیں گے۔ ایک شعبہ الفاظِ قرآنی کی حفاظت کا ہوگا۔ ایک شعبہ تجوید اور حسن صوت سے متعلق ہوگا، پھر کچھ افراد معانی قرآن کے تحفظ کے لیے علم تفسیر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں گے، کچھ حضرات حدیث کے الفاظ و معانی پر محنت کرنے والے ہوں گے اور ایک جماعت تفقہ فی الدین کی خدمت سنبھالے گی اور کچھ لوگ قرآن وسُنّت کی فہم کے لیے عربی زبان وادب اور نحو وصرف اور بلاغت میں مہارت پیدا کریں گے وغیرہ وغیرہ، الحمد للہ چودہ سو سال سے برابر اُمّت میں ایسے باتوفیق رجال کار ہر زمانہ میں موجود رہے جنھوں نے ان سب شعبوں میں بفضلِ خداوندی کارہائے نمایاں انجام دے کر دین محمدی اور شریعت مصطفوی کو اپنی اصلی شکل وصُورت میں باقی رکھا ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ آج بھی ایسے افراد کی کمی نہیں ہے۔

ب: راستہ کی رکاوٹوں کو دُور کرنا

دین کا ایک بہت بڑا شعبہ یہ ہے کہ اگر کسی جگہ دین پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ آرہی ہو تو ایک جماعت ان رکاوٹوں کو دُور کرنے کے لیے سر ہتھیلی پہ رکھ کر مردانہ وار میدان میں آجائے اور اسلام کی سربلندی کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ اس

شعبہ کا نام "جہاد" ہے جس کو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے "اسلام کا سب سے چوٹی کا عمل" قرار دیا ہے ذروۃ سنامہ الجھاد (مشکوٰۃ شریف ۱/۱۴) اور اس خدمت پر قرآن وسُنّت میں جس قدر عظیم الشّان ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں کوئی اور عمل اس کا ہم پلّہ اور شریک نہیں ہے۔ محض جذبات میں آکر جہاد کے متعلّق وعدوں کو کسی اور عمل پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم شرعی جہاد کے کچھ شرائط وآداب ہیں۔ اس کا حکم کب جاری ہوتا ہے؟ اور کہاں کس طرح کا جہاد مفید ہے اس بارے میں معتبر عُلماء سے معلومات حاصل کرنی چاہییں۔ یہاں تو اس طرف توجّہ دلانی ہے کہ دین پر عمل میں پیش آمدہ رکاوٹوں کو دُور کرنے پر بھی ہر زمانہ میں متواتر محنتیں ہوتی رہنا ضروری ہیں۔ ورنہ ہم مغلوب ہوتے چلے جائیں گے اور دُشمن اس طرح حاوی ہوتا چلا جائے گا کہ ہم بعد میں ہاتھ پیر ہلانے کے قابل بھی نہ رہیں گے، لہٰذا مستقل بیدار اور تیّار رہنے کی ضرورت ہے۔ ہندوستان جیسے غیر مُسلم ملک میں جمعیۃ عُلماء جیسی مِلّی تنظیموں کا مقصدِ قیام بھی یہی ہے کہ دین و مذہب پر عمل کرنے میں جو رکاوٹیں آئیں اُنھیں دُور کیا جائے بلاشُبہ یہ بھی ایک بڑی دینی خدمت ہے۔ تاکہ مُسلمان عافیّت کے ساتھ اپنے مذہبی اُمور انجام دے سکیں۔

ج: باطل عقائد ونظریات کی تردید

اسی طرح ایک بہت ہی ضروری شعبہ یہ ہے کہ دین کے نام پر جب دین کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی سازشیں سامنے آئیں تو ایک جماعت ان سے سینہ سپر ہوکر احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا کام انجام دے۔ بفضلہٖ تعالیٰ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیشں گوئی کے مطابق قیامت تک ایسی مستعد جماعت اُمّت میں برابر موجود رہے گی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ: "میری اُمّت میں برابر ایک جماعت امرِ حق پر مضبوطی سے ثابت قدم رہے گی۔ اس کو کسی کی مخالفت نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ لا تزال طائفۃ من امتی قوامۃ علی امر اللہ لایضرھم من خالفھم (فیض القدیر ۶/ ۳۸۷) اور ایک اور روایت میں ہے کہ اس اُمّت کے بعد میں آنے والے معتبر لوگ ہی علم کتاب وسُنّت کے حامل ہوں گے۔ جو دین سے (۱) غلو پسندوں کی تحریفات (۲) باطل پسندوں کی فریب کاریوں (۳) اور جاہلوں کی فاسد تاویلات کا قلع قمع کردیں گے۔ یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین۔ (رواہ البیھقی فی کتابہ المدخل، مشکوٰۃ شریف)

معلوم ہُوا کہ اس طرح کے مستقل شعبہ کا وجود بھی اُمّت میں لازم ہے ورنہ یہ امتیاز ہی نہ رہے گا کہ کیا حق

ہے اور کیا باطل ؟ اور طاغوتی قوتیں مختنیں کر کے اصلی دین ہی کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں گی، اس لیے دین کے تحفّظ اور اُس کی ترقی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام باطل فتنوں سے ٹکر لی جائے جنھوں نے جاہلانہ تحریفات اور واہیات اور رکیک تاویلات کے ذریعہ گمراہی کا جال بچھا رکھا ہے۔ جو لوگ اس کام میں مشغول ہیں وہ بھی دین کی ایک عظیم الشان خدمت انجام دے رہے ہیں نئے زمانہ کے "صلح کل" لوگ اپنی مریض ذہنیت کی بناء پر اس طرح کی محنتوں کو فضول بلکہ مضر سمجھتے ہیں مگر یہ اُن کی محض کج فہمی ہے۔ اگر حق و باطل کا فرق نہ رہے تو دین مسخ ہو جائے گا اور سُنّت و بدعت کا کچھ پتہ نہ چل سکے گا۔ ذرا غور فرمائیے اور تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیے! اگر تاریخ کے ہر دَور میں علمارِ اسلام نت نئے فتنوں کے خلاف سینہ سپر نہ ہوتے اور احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام نہ دیتے تو کیا دین کی اصلی صُورت باقی رہ جاتی ؟ انہی عُلمائے حق نے اللہ کی توفیق سے شیعیت اور باطنیت کے غرور کو خاک میں ملا دیا، انھوں نے ہی فتنہ اعتزال کو نیست و نابود کیا، انہی کی جرأت و استقامت نے اکبرِ اعظم کے "معجون مرکّب دینِ الٰہی" کو ہمیشہ کے لیے دفن کیا، انہی سر بکف محبانِ رسول ؐ نے قادیانیت کی پُر فریب سازشوں کو طشت از بام کیا اور آج تک اس مہم میں سرگرم ہیں اور جب بدعات و خرافات نے چولی دامن کے ساتھ رضاخانیت کے نام سے جنم لیا تو یہی عُلمارِ حق کو حق اور بدعت کو بدعت بتانے کے لیے میدان میں آگئے اور جب حضرات صحابہؓ اور اکابر اولیاء اللہ پر تنقید و تبرّا کا دروازہ کھولنے کے لیے مولانا مودودی کا قلم حرکت میں آیا تو یہی وارثینِ انبیاء جاں نثاران نبوّت حضرات صحابہؓ کی عزّت و ناموس کے تحفّظ کے لیے سرگرم عمل ہو گئے اور آج مادی دولت کے زعم پہ کچھ شرارت پسند غیر مقلد سلفیوں نے ائمہ اربعہ اور اُمّت کی انتہائی محترم شخصیات کے خلاف جو زہر افشانی پھیلا رکھی ہے اور عوام کو سخت انتشار میں مُبتلا کر رکھا ہے۔ انشاء اللہ یہ جماعت حقہ ان بدزبانوں کو بھی لگام دے کر اپنے منصبی فریضہ کو پُورا کرے گی۔ الغرض دین کے نام پر جب بھی بددینی پھیلانے کی کوشش ہُوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بددینی کو مٹانے کے لیے ایک مستقل جماعت کھڑی کر دی جس کی وجہ سے ہزار کوششوں کے باوجود باطل کو اصل دین میں خلل اندازی کا موقع نہ مل سکا۔ یہ جماعت اس پُر فریب نعرے سے متاثر نہیں ہُوئی جسے آج فیشن میں "اتحادِ ملّت" کا نام دیا جاتا ہے۔ اتحادِ ملّت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہر ناحق کو اپنے اُوپر چھوڑ دیا جائے اور اس کی بدعقیدگی اور بدعملی پر کوئی نکیر نہ کی جائے۔ یہ اتحاد نہیں بلکہ مداہنت ہے۔ اگر واقعی اتحاد چاہیے تو وہ صرف اس طرح ہو گا کہ ہر فرقہ اور ہر جماعت قرآن و سُنّت کو معیارِ اتّباع بنا لے اور پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تربیت کاملہ سے پُوری طرح فیض یاب ہونے والی عظیم ترین شخصیات جو

اُمّت میں نبی کے بعد سب سے افضل ہیں یعنی حضرات صحابہؓ کو "معیار حق" تسلیم کرے اور جو عقیدہ اور عمل قرآن و سُنّت اور حضرات صحابہؓ کے موافق ہو اسے اختیار کیا جائے اور جو خلاف ہو اسے ترک دیا جائے اگر یہ طریقہ اختیار کر لیا گیا تو اُمّت میں تفرقہ بندی کی تمام حدیں توڑی جا سکتی ہیں۔ یہ تفرقے پیدا ہی اسی لیے ہوئے ہیں کہ قرآن و سُنّت اور صحابہؓ کا طریقہ چھوڑ کر الگ نظریات و اعمال کو فروغ دے دیا گیا ہے خلاصہ یہ کہ ایسی جماعت کا وجود ناگزیر ہے جو غلط عقائد و نظریات اور بدعات ختم کرنے کے لیے سرگرم عمل رہے۔

د: دعوت الی الخیر

یہ بھی دین کا نہایت اہم شعبہ ہے۔ لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دینا اور دُنیا میں اچھی باتوں کو فروغ دے کر بُرائیوں کو مٹانا اُمّتِ محمّدیہ کی امتیازی صفت ہے۔ اور اُمّت کے ہر فرد کی ذمّہ داری ہے۔ اور بالخصوص جب بگاڑ حد سے تجاوز کر جائے اور عبادات سے لیکر معاشرت تک ہر شعبہ دین سے بے بہرہ ہونے لگے تو اُمّت کو تباہی سے بچانے کے لیے انفرادی اور اجتماعی ہر طرح کی کوششوں کا تسلسل زیادہ ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ ہر زمانہ میں دین کا یہ شعبہ زندہ اور متحرک رہا ہے۔ عُلماء نے وعظ و نصیحت کے ذریعہ اور صوفیاء نے بیعت وارشاد کے ذریعہ برابر دین کی آبیاری کی اور لاکھوں لاکھ لوگ ان کی محنتوں کی بدولت راہِ حق پر گامزن ہو گئے اور اخیر زمانہ میں "دعوت الی الخیر" کا یہ مہتم بالشان کام حضرت مولانا شاہ محمّد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بے پایاں خلوص کے ساتھ "تبلیغی جماعت" کے نام سے سامنے آیا جو دیکھتے ہی دیکھتے دہلی اور میوات سے نکل کر عالم کے چپّہ چپّہ پر پھیل گئی اور جگہ جگہ دین کے عنوان پر حرکت میں برکت کے مناظر سامنے آنے لگے، اس تحریک کی عمومیت نے رنگ و نسل علاقہ اور زبان اور امیر غریب کا فرق مٹا دیا اور اُمّت کا ہر طبقہ دعوت الی الخیر سیکھنے اور سکھانے کے لیے ایک ہی نظام سے مربوط ہو گیا۔ اس تحریک کا بُنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ دین زندگی کے ہر گوشہ میں سما جائے، عبادات بھی شریعت کے مطابق ہوں اور معاشرت اور معاملات بھی اسلامی رنگ میں رنگین ہو جائیں اور غیر اسلامی عقائد و اعمال سے مسلم معاشرہ پاک ہو جائے۔ اس جماعت تبلیغ کی نماز روزہ پر محنت صرف اس لیے نہیں ہے کہ دین کو بس عبادات کے دائرہ میں محدود کر دیا جائے بلکہ دین پوری زندگی میں آنا چاہیے۔ اور اس کے لیے جہاں اچھائیوں کو پھیلانے کی ضرورت ہوگی وہیں بُرائیوں پہ حکمت عملی سے نکیر کرنے کی بھی ضرورت ہوگی۔ اس لیے کہ جس طرح کھیتی اس وقت تک برگ و بار نہیں لا سکتی جب تک کہ اس کے جھاڑ جھنکاڑ کی صفائی نہ کی جائے اسی طرح اسلامی معاشرہ کا تصوّر بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ گناہوں اور نافرمانیوں کو جڑ سے نہ اکھیڑ دیا جائے۔ جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ "جماعت" کا کام تو بس نماز کی دعوت دینا ہے اور بُرائیاں کتنی ہی آنکھوں کے

سامنے گھر میں یا باہر ہوتی رہیں ان پر نکیر کرنا ہمارا کام نہیں یہ بڑی بھول ہے۔ قرآنِ کریم نے دعوت کی تفسیر میں دونوں ذمہ داریوں کو بتایا ہے۔ (۱) امر بالمعروف (اچھی باتوں کی تلقین) (۲) نہی عن المنکر (بُری باتوں پر تنبیہ) انہی دونوں ذمہ داریوں کو ادا کر کے دعوت کا مفہوم پورا ہوتا ہے۔ یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم اچھائیوں کی دعوت میں سب کچھ کھپا دیں اور جب برائیوں پر متنبہ کرنے کا وقت آئے تو دامن بچا کر لے جائیں کہ کہیں کوئی ناراض یا درپے آزار نہ ہو جائے۔ بہرکیف اُمّت میں ایسے افراد کا موجود رہنا ضروری ہے جو دُنیا میں خیر کو پھیلاتے رہیں اور منکرات پر قوّت کے ساتھ نکیر کرتے رہیں، یہ دین کا نہایت مفید اور وسیع ترین شعبہ ہے۔

دین کے تمام شعبوں کا مرکز

دین کے ان تمام شعبوں کا مرکز دَورِ نبوّت میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مسجد مُبارکہ تھی وہیں تعلیم کے حلقے لگتے تھے، وہیں تربیت اور تزکیہ کا کام ہوتا تھا، وہیں سے مجاہدین کے لشکر منظّم کر کے بھیجے جاتے تھے اور وہیں سے تبلیغی وفود روانہ ہوتے تھے۔ پھر کام کرنے والے بھی ایسے تھے جو بیک وقت معلّم بھی تھے، مجاہد بھی تھے اور مبلّغ بھی تھے۔ الغرض ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق دین کی ہر خدمت انجام دینے کو تیار رہتا تھا۔ دَورِ صحابہ و تابعین میں بھی یہی منظر دیکھنے کو ملتا رہا، بڑے بڑے اکابر محدثین اور عُلماء حصول ثواب کے لیے مسند درس کو چھوڑ کر تلوار اُٹھاتے اور دُشمنان اسلام کے مقابلہ میں اپنی دلیری اور بہادری کے جوہر دکھاتے تھے، اس وقت چونکہ خلوص عام تھا اس لیے یہ بات نہ تھی کہ یہ کام ہمارا ہے، اور وہ کام اُن کا ہے، اس کام کے تو ہم ہی ٹھیکیدار ہیں اس میں دوسرے کو شامل ہونے کی اجازت نہیں بلکہ دین کے ہر کام کو ہر شخص اپنا ہی کام سمجھتا تھا اور ایک دوسرے کے تعاون کی امکانی کوشش کی جاتی تھی جس کا ثمرہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ دین کا ہر شعبہ پُوری قوّت سے زندہ اور متحرک تھا اس لیے کہ ہر چار جانب سے مسلم معاشرہ میں اُس کی تقویت اور پُشت پناہی میسّر آتی تھی۔

موجودہ دَور کا المیہ

مگر آج نفسانیت اور جہالت نے یہ دن دکھائے ہیں کہ دین کے شعبے الگ الگ طبقات میں بٹ کر رہ گئے ہیں۔ ہر شعبہ سے وابستہ شخص نہ صرف یہ کہ دوسرے سے وابستہ نہیں ہونا چاہتا بلکہ اپنے شعبہ سے تعلّق کے زعم میں دوسرے شعبوں کی تحقیر اور اس پر لعن طعن پر آمادہ ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ دین تو بس وہی ہے جس کو اس نے دین سمجھ رکھا ہے اور بقیہ ساری محنتیں جو دین کے نام پر کی جارہی ہیں وہ سب فضول ہیں، ایک طرف بعض اہلِ مدارس دعوت کی محنت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یا دفرقِ باطلہ میں اپنی ذمہ داری نہیں نبھاتے اور اُن کے اردگرد مسلم آبادیوں میں بدعقیدگی اور بدعملی کا طوفان رواں دواں رہتا ہے اور اُنھیں کچھ بھی احساس نہیں، دوسری طرف دعوت کے کام میں لگے ہُوئے

بہت سے پُرجوش لوگ اتنا حد سے تجاوز کرتے ہیں کہ اپنی خصوصی اور عمومی مجلسوں میں اہلِ مدارس اور عُلماء ربانیین کے خلاف بدکلامی اور بدزبانی پر اُتر آتے ہیں اور غیبت و بہتان جیسے بدترین گناہوں میں مُبتلا ہوکر اپنے لیے خطرناک قسم کی محرومی مول لیتے ہیں، کسی کو تو العیاذ باللہ اتنا جوش آتا ہے کہ چند چلّے لگاکر یہ سمجھتا ہے کہ مجھ سے بڑا دُنیا میں کوئی دیندار ہی نہیں ہے اور اس عجب و تکبر کے نتیجہ میں بڑے بڑے عُلماء کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اور دین کے تحفّظ کے لیے یا قادیانیت وغیرہ فرقِ باطلہ کی تردید کے لیے اگر کوئی تحریک چلتی ہے تو اس کا ساتھ دینے میں اس طرح اعراض کیا جاتا ہے گویا وہ دین کا کام ہی نہ ہو، ہمیں معلوم ہے کہ یہ حرکتیں جماعت تبلیغ کے لازمی اُصولوں کے خلاف ہیں، اس جماعت کے بنیادی چھ نمبروں میں "اکرام مسلم" ایک اہم نمبر ہے جس کا سب سے اولین تقاضا عالم دین کا احترام ہے ان ناواقف پُرجوش لوگوں کی وجہ سے جماعت بدنام ہو رہی ہے اور اس کی آفاقیت میں کمی آئے اور رفتہ رفتہ اس کے سمٹ جانے کا خطرہ پیدا ہونے لگا ہے۔ ہماری یہ مخلصانہ دُعا اور دلی خواہش ہے کہ دعوت و تبلیغ کی یہ مبارک جماعت اپنے بانی مبانی کے اُصولوں پر قائم رہ کر پُورے عالم میں پھلے اور پھولے اور اس کے ذریعہ دُنیا کے چپہ چپہ میں ہدایت کے برگ و بار آئیں اور روحانیت اور وحدانیت کے نُور سے پُوری دُنیا منور ہوجائے۔ مگر ہمیں اس کا بھی احساس ہے کہ کچھ خودغرض مفادپرست لوگ اس جماعت میں دَر آئے ہیں جو اپنے انفرادی عمل سے جماعت کی بدنامی کا باعث بن رہے ہیں اور بہت سی جگہ اس نے بڑے فتنہ کا رُوپ اپنا لیا ہے۔ قبل اسکے کہ بات اور آگے بڑھے ایسے بدزبانوں اور ناعاقبت اندیشوں کو لگام دینے کی ضرورت ہے، جماعت کے ہر فرد کو دین کے دوسرے خدامِ دین کا بھی اتنا ہی احترام کرنا چاہیے جتنا اپنی جماعت میں لگے ہُوئے فرد کا کیا جاتا ہے اور محض اس وجہ سے ان سے ناگواری نہ ہونی چاہیے کہ وہ ہمارے مقررہ اُصول کے مطابق کام نہیں کر رہے ہیں۔ دین کی خدمت کا میدان بہت وسیع ہے۔ دوسرے پر تبرّا بازی کے بغیر بھی دین کی خدمت ہوسکتی ہے۔ پھر اس "نیکی برباد گناہ لازم" میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر کسی کے پاس اپنے شعبہ کے علاوہ کسی دوسرے دینی شعبہ میں کام کرنے کا موقع نہیں ہے تو کم از کم اس کی بیخ کنی اور مخالفت تو نہ کرے، یہ بھی ایک طرح کا تعاون کہلائے گا، اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر فرد کو اپنا محاسبہ کرنے اور ہر معاملہ میں راہ اعتدال پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سے دین کے جس شعبہ کی خدمت میں بھی جو کوتاہیاں ہو رہی ہیں اُنہیں معاف فرمائے اور اُن سے پُوری طرح محفوظ رہنے کی سعادت سے نوازے۔ آمین۔

حضرت مولانا رحمت اللہ الحسینی قدس سرہ العزیز

مرتبہ۔ حافظ نثار احمد الحسینی، حضرو، اٹک

اکابر اہلِ سُنّت والجماعت عُلمائے دیوبند میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ آپؒ نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، تصوّف و سلوک، دعوت وجہاد اور سیاست حاضرہ غرض ہر شعبۂ دین میں گرانقدر خدمات انجام دیں اور معاشرہ پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑے۔ آپؒ کی صحبت نے ہزار ہا زندگیوں میں حیات جاودانی کی رُوح پھُونکی۔ آپؒ کے ہزاروں مستفیدین میں سے ہر ایک اصلاح وارشاد کا نمونہ اور آپؒ کے فیوضات کا عکس تھا۔ مطلع عالم آپؒ کے فیض سے منور ہے، عالمِ اسلامی نے آپؒ کے علم و تدبّر اور اخلاص و تقویٰ پر آمین کہی اور برِّصغیر خصوصاً آپؒ سے فیض یاب ہُوا۔ آپؒ کے متوسلین میں اخلاص و تقویٰ کا ہی فیض خانقاہوں، مدارس اور مکاتب قرآنی کی صورت میں خدمتِ دین اور مُسلم معاشرہ میں اسلامی اقدار کے تحفّظ کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم کے بعد پاکستان میں حضرت مدنیؒ کے خلفاء، تلامذہ اور متوسلین کی خدمات تاریخ پاکستان کا اہم باب اور معاشرہ میں اخلاق واعمال کی اعلیٰ قدروں کے احیاء کا روشن پہلو ہیں۔ حضرت مدنیؒ کے خلفاء میں سے دو ہی حضرات باقی رہ گئے تھے: حضرت مولانا رحمت اللہ الحسینی قدس سرہ (بہاولپور) اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم (چکوال)، اوّل الذکر گزشتہ دنوں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت مولانا رحمت اللہ الحسینی قدس سرہ تقریباً ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۰ء) میں ضلع جالندھر میں پیدا ہُوئے آپؒ کا خاندان پشتوں سے زہد و تقویٰ میں معروف تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ کے دادا مرحوم سلسلہ چشتیہ صابریہ میں مجاز تھے۔ جبکہ آپؒ کے سلسلہ نقشبندیہ میں مشہور بزرگ سائیں توکل شاہ انبالوی کے پیر بھائی مولانا عبد الخالقؒ کے مشہور خلفاء میں سے تھے، وہ ۱۱۵ سال کی عمر میں فوت ہُوئے۔ آخری

عمر میں بھی ضعف و نقاہت کے باوجود حبس دم سے ایک سانس میں پانچ ہزار مرتبہ پاس انفاس کا معمول تھا۔
گھر کے ماحول میں زہد و تقویٰ اور روحانیت کی اعلیٰ قدروں کا چرچا تھا۔ والدین نے علمی اور رُوحانی تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ابتدائی دینی تعلیم جالندھر ہی میں حاصل کی۔ مفتی فقیر اللہ صاحبؒ آپؒ کے مشفق اساتذہ میں سے تھے۔ ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں مظاہر علوم سہارنپور میں موقوف علیہ کی تکمیل کی۔ والد گرامی کا اکابر اہلِ سُنّت عُلمائے دیوبند سے عقیدت مندانہ تعلّق تھا، علم کی طلب اور دارالعلوم دیوبند کا علمی شہرہ آپؒ کو کشاں کشاں دارالعلوم دیوبند لے آیا، جہاں ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء) میں آپؒ نے دورہ حدیث شریف میں داخلہ لے لیا۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں مسند حدیث پر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ جلوہ افروز تھے۔ حضرت مدنیؒ کے علاوہ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ شیخ الاسلام علّامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ جیسے اساطین علم و تقویٰ سے آپؒ نے علم حدیث کی تحصیل فرمائی۔ یہ سبھی حضرات علم و عمل اور تقویٰ و روحانیت میں اپنی مثال آپ تھے اور انہیں ہر ایک کی نگاہ نے فضل و کمال کا یہ حال تھا کہ

؎ کیا فیض تھا کہ پڑ گئی جس پر بھی اِک نظر مشکِ جنید شبلی و منصور ہو گیا

مگر حضرت مدنیؒ اپنی شان میں منفرد تھے۔ بارگاہِ الٰہی میں آپؒ کی مقبولیّت ایسی تھی کہ مخلوقِ خُدا کے دل آپؒ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ الحسینی نور اللہ مرقدہ گھر کے علم و تقویٰ کے ماحول اور روحانی قدروں کے چرچا سے اپنا قلب معطر کیے ہوئے تھے، جب حضرت مدنیؒ کو دیکھا تو یہیں فدا ہو گئے۔ دَورۂ حدیث کے دوران میں حضرت مدنیؒ سے بیعت کی درخواست فرمائی جو قبول فرمالی گئی۔ یُوں آپؒ حدیث رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے انوارات سمیٹتے ہُوئے منازلِ سلوک بھی طے کرتے چلے گئے۔ حضرت مدنیؒ گوہر شناس تھے، آپؒ سے غایت درجہ محبت و شفقت فرماتے، اپنی خصوصی سند حدیث عطا فرمائی۔

دورۂ حدیث شریف کی تکمیل پر آپؒ اپنے علاقہ میں تشریف لے آئے اور خدمت دین میں مصروف ہو گئے۔ ہر دوسرے تیسرے مہینہ حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضری ہوتی اور تین چار دن شیخ مدنیؒ کی خانقاہ میں ذکر و شغل کے نُورانی ماحول میں تحصیل رُوحانیت میں گزارتے۔ قلیل مُدّت میں ہی ۱۳۶۱ھ (۱۹۴۲ء) میں حضرت مدنیؒ نے آپ کو خلافت و اجازت سے نواز کر اپنے کامل اعتماد اور غایت شفقت و محبت کا اظہار فرمایا۔ آپؒ بھی حضرت مدنیؒ پر فدا تھے۔ نہایت محبّت اور سوز سے اپنے شیخ مدنیؒ کا تذکرہ فرماتے اور

اسی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ الحسینی لکھتے تھے۔

سلوک و احسان میں آپ کا مقام رفیع

والدین کی تربیت، طبعی نفاست پسندی اور سب سے بڑھ کر حضرت مدنی رح کی شفقت و محبّت اور تربیت نے آپ رح کی روحانیت میں نکھار پیدا کر دیا تھا۔ روز و شب ذکر و شغل اور خدمتِ دین میں گزرتے۔ کثرت درود شریف سے عشق نبوی صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کا حظ وافر نصیب ہُوا تھا۔ چنانچہ ۱۳۷۰ھ (۱۹۵۰ء) میں آپ رح نے خواب میں دیکھا کہ مَیں عشق نبوی صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم میں تڑپ رہا ہُوں۔ آپ نے یہ خواب حضرت مدنی رح کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ حضرت مدنی رح نے جواب میں ارشاد فرمایا:

> جو خواب آپ نے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عشق میں تڑپنے کا دیکھا ہے، مُبارک ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام رح ۴/۱۷۰-۱۷۱)

حضرت مدنی رح نے آپ رح کو مقرب بارگاہِ خداوندی قرار دیا تھا۔ (حوالہ بالا ۴/۱۷۱)

اور اپنی حیات مُبارکہ میں آپ رح سے بیعت ہونے کی تلقین فرماتے اور آپ رح کے متوسلین کی سرپرستی فرماتے۔ چنانچہ حضرت مدنی رح نے آپ رح کے نام ایک مکتوب گرامی میں لکھا:

> ابراہیم کو جب آپ نے داخل سلسلہ کر لیا ہے تو وہ کافی ہے، مجھ سے غائبانہ بیعت کرنے کا حکم بے موقع۔ اس کو محنت کرنے کو کہیے انشاء اللہ نفع ہو گا۔ (حوالہ بالا ۴/۱۷۰)

اسی گرامی نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

> عبدالکریم صاحب بیعت ہونے والے شخص کا آپ کے متعلّق کہنا کہ تم نے ذکر اذکار میں اُن کی مدد کی، بہترین کامیابی ہے آپ کو خبر نہ ہُوئی، اس کے منافی نہیں۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے اپنے مقرب بندوں کو واسطہ بنا کر فیض پہنچاتا ہے۔ اور ان کی صُورت روحانی کو ظاہر کرتا ہے۔ اشخاص کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہ قدرت کے کارخانے ہیں۔ تعجب کی بات نہیں اس پہ شکر کیجیے۔ (حوالہ بالا ۴/۱۷۱)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی کمالات کا عروج نصیب فرمایا تھا۔ شیخ مدنی رحمہ اللہ کے زیرِ سایہ آپؒ نے منازل سلوک طے کرتے کرتے بفضل اللہ تعالیٰ احسان و سلوک کا اعلیٰ مقام حاصل کر لیا تھا، اور آپؒ کے سلوک کی ابتداء بھی اعلیٰ مقام سے ہوئی۔ چنانچہ حضرت مدنیؒ نے آپؒ کو لکھا:

میرے محترم! مقصود اصلی سلوک سے (ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ۔ الحدیث) ہے، یعنی سالک میں یہ ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے۔ یہ مبداء ہے اور باعتبار نہایت کے رضاء عزاسمہٗ کا حصول ہے۔ (حوالہ مذکورہ ۴/۱۶۹)

یہ تو آپؒ کے ابتدائے سلوک اور انتہا کی طرف اشارہ تھا۔ ایک دوسرے مکتوب مبارکہ میں سلوک میں آپؒ کے مقام رفیع کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھا:

اتباع سُنّت کا ہمیشہ اور ہر امر میں خیال رکھیں۔ علاوہ مراقبہ معلوم کے، دوسرے اذکار کی ضرورت اگرچہ اب نہیں ہے مگر تائید اور تقویت کے لیے جونسا ذکر مناسب سمجھیں کرتے رہا کریں۔ (حوالہ مذکورہ ۴/۱۷۰)

حضرت مدنیؒ کو آپؒ کے زہد و تقویٰ اور روحانی مقام پر انتہا درجہ کا اعتماد تھا۔ آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمانے کے بعد اس پر اصرار فرماتے رہے کہ آپؒ لوگوں کو بیعت فرمائیں اور انہیں اپنے فیض سے مستفیض فرمائیں۔ ایک مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا:

میں پہلے ہی غالباً آپ کو لکھ چکا ہوں کہ آپ کو اجازت ہے جو بھی آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کرے اسے بیعت کر لیا کرو اور اشغال سلوک تلقین فرما دیا کرو اللہ تعالیٰ فضل فرماتے گا۔ (حوالہ مذکورہ ۴/۱۷۰)

دینی خدمات

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے علاقہ میں خدمات دینیہ انجام دیتے رہے۔ ایک مرتبہ بہاولپور کے چک نمبر ڈی این بی /17 میں اپنے عزیزوں کے ہاں تشریف لائے تو یہاں کی دینی حالت نہایت کمزور پائی، ایک مسجد وہاں تھی مگر امام سے محروم۔ آپؒ کے اعزہ اور اہلِ علاقہ نے آپؒ سے یہاں دینی کام کرنے کی درخواست کی، جسے آپؒ نے یہاں کی ناگفتہ بہ دینی حالت کے پیشِ نظر قبول فرما لیا اور یہاں پر ہی دینی

خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے۔

یہاں کے دیہاتی ماحول میں تعلیمی حالت نہایت پس ماندہ تھی۔اہلِ دیہ کی درخواست پر آپؒ نے بچّوں کو قرآنی تعلیم کے ساتھ ساتھ لکھنا پڑھنا سکھانا اور ابتدائی عصری تعلیم دینا بھی شروع فرما دیا۔جب پاکستانی حکومت نے یہاں سکول منظور کیا تو آپؒ کی کسی درخواست یا خواہش کے بغیر آپؒ کو یہاں بطورِ اُستاد مقرر کر دیا۔یُوں دینی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ ملازمت کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔غالباً ۱۹۵۸ء میں آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور ہمہ وقت مسجد و مدرسہ کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔

اس علاقہ میں اہلِ تشیّع کی آبادی بھی تھی۔آپؒ نے ان میں بھی دعوت کا کام کیا۔ان سے کئی کامیاب مناظرے کیے اور حقانیت اہلِ سُنّت والجماعت و تردید شیعہ کے موضوع پر متعدد رسائل بھی تصنیف فرمائے۔

اس علاقہ کے اہلِ بدعت بھی ہمیشہ آپؒ سے برسرِ پیکار رہے اور طرح طرح سے تکالیف پہنچاتے رہے۔مگر مصائب و آلام میں بھی آپؒ نے ہمیشہ حق کی شمع روشن رکھی اور شرک و بدعت کی فضاؤں میں توحید و سُنّت کا علم ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔مسلک حقہ کی دعوت و تبلیغ ہمیشہ اپنے اکابرؒ کے طریقہ پر فرمائی، تشدد سے کوسوں دُور رہے اور اخلاق کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیا۔یہی وجہ ہے کہ آپؒ کے کٹر مخالفین بھی آپؒ کے تقوٰی و اخلاق کے نہ صرف معترف تھے بلکہ آپؒ کی شانِ بزرگی کے معتقد بھی تھے۔چنانچہ دم اور تعویذ کے لیے اہلِ تشیع کے علاوہ اہلِ بدعت بھی آپؒ کے پاس آتے اور آپؒ اُن سے عقیدہ و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کی بات بھی فرماتے اور حسبِ ضرورت اہلِ بدعت کی تردید میں چند رسائل بھی تصنیف فرمائے۔

مدارس عربیّہ سے خُصوصی تعلّق

مدارس عربیہ علومِ اسلامیہ کی نشر واشاعت کے مراکز اور دینِ حق کو یلغارِ باطل سے محفوظ رکھنے کے لیے حفاظتی قلعے ہیں۔آپ کو مدارسِ عربیہ کے اجراء، سرپرستی اور تعاون کا ذوق اپنے اکابر سے ورثہ میں ملا تھا۔آپؒ نے اپنے چک میں ذاتی زمین پر مکتب قرآنی تعمیر فرمایا۔علاقہ کے مرکزی قصبہ ہیڈ راجکان میں اپنی جیب خاص سے زمین خرید کر مکتبِ قرآنی اور ابتدائی درجات کتب کے لیے مدرسہ تعمیر فرمایا۔علاوہ ازیں گرد و نواح میں متعدّد مکاتب قرآنی کا اجراء فرمایا اور آخر دم تک ان کی نگرانی و سرپرستی فرماتے رہے۔

متعدد دینی مدارس کے سرپرست اور کئی مدارس وجامعات کی شوریٰ یا انتظامیہ میں عملی حصّہ رکھتے تھے اس کے علاوہ بہاولپور کے ایک مدرسہ جامعہ مدنیہ کے مہتمم بھی تھے، جہاں دَورہ حدیث تک کے اسباق ہو رہے ہیں ۔غرض آپؒ کو مکاتب قرآنی اور مدارسِ دینیہ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، بے شمار مکاتب و مدارس کا اجراء فرمایا اور آخر تک ان اداروں کو اپنے مفید مشوروں اور مالی تعاون سے نوازتے رہے ۔

اصلاح وارشاد

آپؒ نے اصلاح وارشاد میں ہمیشہ اپنے اکابرؒ کے مزاج کو سامنے رکھا ۔نعرہ ہائے ہائے و ہُو اور تحریکی سرگرمیوں سے دُور گوشۂ تنہائی میں خاموشی سے علومِ اسلامیہ اور تصوّف و سلوک کی خدمت کرتے رہے۔آپؒ سلاسل اربعہ میں مجاز تھے اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کے علاوہ چشتیہ نظامیہ میں بھی اجازت حاصل تھی۔بیعت ہونے والوں کو سلاسل اربعہ میں بیعت فرماتے ۔ابتداءً تسبیحات ستّہ کی تعلیم ارشاد فرماتے اور رسوخ کے بعد ذکر بالجہر کی تلقین فرماتے ۔آپؒ پاس انفاس کو زیادہ اہمیّت دیتے تھے اور کئی متوسلین کو گھنٹہ بھر بھی پاس انفاس کا فرماتے ۔ پاس انفاس سلوک میں انتہائی اسباق میں سے ہے مگر آپؒ کی توجّہ کی تاثیر تھی کہ سالک ابتداء میں اس کا ملکہ حاصل کر لیتا تھا۔ برادرم سیّد کفایت بخاری، شیخ ساجد محمود اور ڈاکٹر عبدالقدوس ہاشمی کو بیعت کے پہلے روز ہی تسبیحات ستّہ کے علاوہ پاس انفاس ایک گھنٹہ روزانہ تعلیم فرمایا۔

آپ سلوک و تصوّف میں عقیدہ کی دُرستی کو تمام اعمال سے زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اتباعِ سُنّت کو سلوک کا اعلیٰ درجہ قرار دیتے تھے ۔آپؒ کی کوئی مجلس اصلاح عقیدہ اور اتباعِ سُنّت کی ترغیب سے خالی نہ ہوتی تھی۔

متوسلین پر آپؒ کی شفقت انتہا کی تھی ۔ دُور کے حضرات کو زیادہ سفر کی صعوبت سے منع فرماتے اور نہایت شفقت سے بذریعہ خط و کتابت تصوّف و سلوک کی تعلیم فرماتے رہتے ۔خطوط میں خواب کی تعبیر سے لے کر منازل سلوک اور مراحل سلوک تک ہر چیز کی وضاحت فرماتے

اکابرؒ پر اعتماد

آپؒ اُصول و فروع میں اکابر علمائے اہلِ سُنّت اکابرینِ دیوبندؒ پر اعتماد کو اس دورِ پُر فتن میں ہر فتنہ کا

علاج فرماتے اور ہمیشہ اس کی اہمیت و افادیت بیان فرماتے۔ اس دَور کے نزاعی مسائل میں اکابرؒ کی تحقیق کو حرفِ آخر سمجھتے اور تحقیق کے نام پر اس سے انحراف کو نہایت بری نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا تین ساتھیوں کو بیعت فرمانے سے پہلے ان سے الفاظ توبہ میں مودودیّت سے توبہ کے الفاظ بھی کہلائے۔

جذبہ جہاد

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے تعلّق کی برکت سے آپ جذبہ جہاد سے معمور تھے۔ جہاد کو مُسلمانوں کے لیے اس دَور کی بڑی ضرورت قرار دیتے تھے۔ آپ نے تصوّف و سلوک کے علاوہ کئی نوجوانوں سے بیعتِ جہاد بھی لی تھی۔

ازدواجی زندگی

آپؒ نے یکے بعد دیگرے تین نکاح کیے۔ آپؒ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ کی تیسری اہلیہ بیوہ تھیں اور اُن کے ساتھ اُن کے دو بچّے بھی تھے۔ آپؒ نے اُن بچّوں کو اپنی اولاد کی طرح پالا اور تربیت فرمائی۔

مزاج عالی

آپؒ نے نہایت بے تکلّف سادہ زندگی گزاری۔ کھانے پینے، لباس اور نشست و برخاست میں کسی تکلّف کے روادار نہ تھے۔ البتّہ چائے کو پسند نہیں فرماتے تھے اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو ترجیح دیتے بچّوں پر نہایت شفقت فرماتے اور بچّوں کے ساتھ ان کے کام میں ہاتھ بٹاتے۔ حد درجہ کے مہمان نواز تھے اور مہمانوں کی خدمت اپنے ہاتھوں کرنے میں خوشی محسوس فرماتے۔ یہاں تک کہ مہمانوں کے ہاتھ خود دُھلاتے۔

وفات حسرتِ آیات

عمر کی مناسبت سے آپ کی صحّت اچھی تھی۔ بیماری موت کے لیے ایک بہانہ ہے موت بیماری کی محتاج نہیں ہوتی۔ آپ کے برادرِ محترم سفرِحج کے لیے جارہے تھے۔ انہیں الوداع کرنے کے لیے ان کی رہائش جڑانوالہ تشریف لے گئے۔ نقاہت اور بیماری کے آثار اس سے پہلے ہی شروع ہو چکے تھے۔ بھائی کے منع کرنے کے باوجود جڑانوالہ تشریف لے گئے۔ وہاں سے راولپنڈی جانے کا ارادہ تھا مگر طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے ایک ہفتہ جڑانوالہ

رُک گئے جب طبیعت بحال نہ ہوسکی تو اپنے چک (گاؤں) تشریف لے آئے علاج جاری تھا کہ ، ذی الحجہ صبح طبیعت زیادہ خراب ہوگئی وہاں سے آپ کو ہیڈ راجگان لے جایا گیا مگر

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں آخر قضاء نے کام

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے عظیم سپوت اور جذبہ جہاد کے امین نے اپنے بستر سے دُور مسافرت کی حالت میں جان جان آفرین کے سُپرد کردی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون

دوسرے روز ۸ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ ۱۵ مارچ ۲۰۰۰ء بروز بدھ آپ کے گاؤں چک نمبر 17/D.N.B میں حضرت مولانا مفتی عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث باب العلوم کہروڑ پکا ضلع میلسی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اسی چک کے قبرستان میں ہی حضرت مدنی رحمہ اللہ کے علوم و معارف کی یہ امانت سُپرد خاک کردی گئی۔

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
زمانہ ہم کو ڈھونڈے گا نہ جانے ہم کہاں ہوں گے

اللّٰھُمَّ اغفرلہ وارحمہ ولا تعذّبہ وادخلہ فی جنّات النعیم واجعل قبرہٗ روضۃ مّن ریاض الجنّۃ آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم

مکتوبات شیخ الاسلام رحمہ اللہ میں آپ رحمہ اللہ کے نام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تین مکتوبات مُبارکہ جلد چہارم میں مطبوعہ ہیں جو کہ پیشِ خدمت ہیں۔

جناب مولانا رحمت اللہ صاحب جالندھری مقیم بہاولپور کے نام

محترم المقام زید مجدکم السّلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

تلاشی کا واقعہ صرف ایک اشتہار قربانی کے متعلق ہوا تھا جس کو چھپانا مقصود نہیں تھا، اس کو حکام نے قابلِ اعتراض سمجھا اور اہلِ دارالعلوم اس کو قابلِ اعتراض نہیں سمجھتے تھے، بہرحال تقدیرات الٰہیہ میں جو کچھ تھا وہ پیش آیا، فالی اللہ المشتکی۔

میرے محترم! مقصود اصلی سلوک سے (ان تعبد اللہ کانک تراہ الحدیث) ہے یعنی سالک میں یہ ملکہ راسخہ پیدا ہو جائے یہ مبدا ہے اور باعتبار نہایت کے رضاء اسمۂ کا حصول ہے۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از و غیر ازیں تمنائے

یہ کوشش کرنا کہ اللہ تعالیٰ سے محبّت صادقہ پیدا ہو جائے اور بڑھتے بڑھتے اتنی ہو جائے کہ ما سوا کا تعلّق

قلبی منقطع ہوجائے۔ یہ اور اس کے مویدات و ذرائع سب کے سب وسائل ہیں۔ ریاضات اور اصلاحِ اخلاق بھی اسی قسم سے ہیں۔ متقدمین صوفیہ اصلاحِ اخلاق کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس میں سالہا سال خرچ کر دیتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں بسا اوقات وصول الی اللہ سے پہلے ہی موت آجاتی ہے اور انسان کو محرومی کی حالت میں دُنیا سے سفر کرنا پڑتا ہے۔ متاخرین نے اس میں تدبّر سے کام لیا وہ وصول الی اللہ اور توجہ الی الذات المقدسہ کو مقدم فرماتے ہیں اس رابطہ میں انہماک کرا کر حضوری دائمی کو پیدا کرتے ہیں اور اسی ملکہ کو رسوخ اور قوّت دیتے ہیں جس کی وجہ سے اخلاق ذمیمہ اور رذائل ایک ایک کر کے زائل ہوجاتے ہیں اور وصول الی اللہ ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بہرحال آپ توجّہ الی الذات المقدسہ میں ہمیشہ کوشاں رہیں خواہ الی الذات المحضہ کی طرف یا باعتبار صفۃ من صفاتہا الکاملۃ اور الذین ہم علی صلواتہم دائمون کا حال قائم کریں۔ انسان کے اعمال میں نقائص کا ہونا فطری امر ہے، مگر انسان کا فریضہ ہے کہ نقصانات کے ازالہ میں کوشاں رہے اور ایّاک نستعین اخلاص سے کہتا رہے۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں (دُعاء میں) ماعرفناك حق معرفتك وماعبدناك حق عبادتك اوکما قال صلّی اللہ علیہ وسلّم) غرضیکہ اپنی طرف سے جدوجہد اعمال کی تتمیم اور اخلاص کی تکمیل میں ہمیشہ جاری رہنی چاہیے اور بارگاہِ خداوندی میں اقرار بالتقصیر کے ساتھ جو کہ واقعی ہے معافی کی درخواست ہمیشہ جاری رہنی چاہیے اور قبولیت کی اُمّید رکھتے ہُوئے ہر وقت خائف من غضبہ تعالیٰ بھی رہنا ضروری ہے۔ الایمان بین الخوف والرجاء میں پہلے ہی غالباً آپ کو لکھ چکا ہوں کہ آپ کو اجازت ہے جو بھی آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کرے اسے بیعت کرلیا کرو اور اشغال سلوک تلقین فرمادیا کرو۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا۔ اتّباعِ سُنّت کا ہمیشہ اور ہر امر میں خیال رکھیں۔ علاوہ مراقبہ معلوم کے دوسرے اذکار کی ضرورت اگرچہ اب نہیں ہے مگر تائید اور تقویّت کے لیے جونسا ذکر مناسب سمجھیں کرتے رہا کریں۔ صراطِ مستقیم اور امداد السلوک کو زیرِ مطالعہ رکھیں، انسانوں بالخصوص مُسلمانوں کی اصلاح اور ہدایت میں بلا طمع کوشاں رہیں۔

والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ، ۷ ربیع الاوّل ۱۳۷۰ھ

○

مکتوب۔ محترما! عربی کا مقولہ ہے "خیر الخط ماقرئ" بحمد اللہ آپ کا خط پڑھا جاتا ہے آپ اس کا فکر نہ فرمائیں۔

اگر لفافہ ارسال کرنے میں کوئی بے ادبی نہیں ہے مجھ کو دار العلوم سے تقریباً پانچ سو ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ پھر دو آنہ پیسے لفافہ پر خرچ کر دینا کونسی دُشوار بات ہے اس کا کبھی خیال نہ فرمائیں... ابراہیم کو جبکہ آپ نے داخل سلسلہ کرلیا ہے تو وہ کافی ہے۔ مجھ سے غائبانہ بیعت کرنے کا حکم بے موقع اس کو محنت کرنے کو کہیے انشاء اللہ نفع ہوگا ـــــــ جو خواب آپ نے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عشق میں تڑپنے کا دیکھا ہے مُبارک ہے۔ عبد الکریم صاحب بیعت ہونے والے شخص کا آپ کے متعلق کہنا کہ تم نے ذکر اذکار میں ان کی مدد کی بہترین کامیابی ہے آپ کو خبر نہ ہُوئی اس کے منافی نہیں اللہ اپنے فضل و کرم سے اپنے مقرّب بندوں کو واسطہ بنا کر فیض پہنچاتا ہے اور اُن کی صُورت روحانی کو ظاہر کرتا ہے اشخاص کو خبر بھی نہیں ہوتی یہ قدرت کے کارخانے ہیں تعجب کی بات نہیں اس پر شُکر کیجیے۔ اگر والد صاحب پر حج فرض ہو چکا ہو تو بہتر ہے کہ اُن کو فریضۂ حج ادا کرا دیجیے اور اگر ان پر فرض نہ ہُوا ہو (یعنی کوئی زمانہ ایسا نہ آیا ہو کہ وہ ایامِ حج میں اتنے مال کے مالک ہُوئے جس سے اس وقت فرضِ حج ادا کر سکتے یا اُنھوں نے فریضۂ حج ادا کرلیا ہے) تو آپ خود جائیں اگر بیوی اپنے شوہر کے یہاں باوجود طلب شوہر نہ آئے تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے آپ اس کے خرچ کا انتظام کیے بغیر جا سکتے ہیں۔

والسّلام

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۳۰ جمادی الاوّل ۷۰ھ

دُنیا کے مذاہب میں عورت کا مقام

مولانا محمد نسیم دوتانی زیارت بلوچستان

پاکستان کی بعض خواتین میں آج کل اسلام سے دُوری اور مغربی تہذیب کے قُرب کا رجحان پایا جا رہا ہے۔ کیا یہ صحیح رجحان ہے؟ اس سوال کا جواب تو صاحبانِ علم و حکمت ہی دے سکتے ہیں لیکن ایسی خواتین کی خدمت میں جنھیں مغربی تہذیب اپنی نجات کا واحد ذریعہ نظر آتی ہے اور جنھیں اسلامی قوانین میں اپنی تضحیک کا پہلو نظر آتا ہے۔ دُنیا کے مذاہب میں اُن کا کیا مقام ہے۔ ایک مختصر جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

"شاید کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات"

عیسائیت جو دُنیا کے تین چار بڑے مذاہب میں سے ایک ہے۔ اس کے نزدیک عورت ایک ناپاک اور گناہوں کا ذریعۂ وجود ہے۔ اس نے ہی آدمؑ کو جنّت سے نکلوایا اور دُنیا کی محنت و مشقت والی زندگی میں لا پھنسایا۔ اس لیے اس سے جتنا بھی دُور رہا جائے۔ اتنا ہی انسان کی نجات و فلاح کے لیے بہتر ہے۔ اسی نظریہ کے تحت عیسائیت میں رہبانیت (دُنیا ترک کر دینا) کو افضل عبادت میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گرجاؤں اور خانقاہوں میں راہب اور راہبات ہی نظر آتے ہیں جنھیں تمام عیسائی مقدس باپ وغیرہ کے نام سے موسوم کر کے عزّت و احترام کے اعلیٰ مقام پر بٹھاتے ہیں۔

ہندومت میں عورت کو ایک گھٹیا مخلوق اور مرد کی غلام اور اس کی باندی تصوّر کیا جاتا ہے۔ یعنی عورت کی اپنی شخصیت اور اپنی ہستی کچھ نہیں ہے وہ جو کچھ ہے مرد کے طفیل یا مرد کی نسبت سے ہے اس کی جان نہیں ہے۔ اس کی کوئی عزّت و آبرو نہیں اس کو مالکانہ حقوق حاصل نہیں۔ یہی وہ تصوّر تھا جس کی وجہ سے قدیم ہندوستان میں ستی کی رسم یعنی خاوند کی موت پر بیوی بھی مرد کے ساتھ زندہ جلادی جاتی تھی۔ گویا خاوند کی زندگی کے ساتھ بیوی کی زندگی وابستہ تھی۔ اس کی علیحدہ کوئی حیثیت وقعت نہیں اگر شوہر زندہ نہیں رہا تو عورت کو بھی جینے کا کوئی حق نہیں۔ اس طرح عورت مرد کی رفیق حیات کے ساتھ رفیق موت بھی زبردستی بنادی گئی۔

موجودہ نام نہاد ترقی یافتہ مغربی اقوام نے عورت کو کوئی معزز اور مقدس مقام نہیں دیا بلکہ اسے مرد کی دل لگی کا سامان اور خواہشات کی تسکین کا ذریعہ بنایا اور اسے آزادیِ نسواں اور مساواتِ مرد و زن کے نظریات دے کر گھریلو اور بیرونِ خانہ معاشی ذمہ داریوں کا دوہرا بوجھ اس بیچاری ضعیف نازک اور کمزور مخلوق پر ڈال دیا اب مغربی ممالک میں عورت کا کام یہ ہے کہ وہ ہوٹلوں، کلبوں، سینماؤں اور فضائی کمپنیوں اور رقص گاہوں میں اپنے ناز و ادا سے مہمانوں، تماشائیوں، مسافروں اور عیاش لوگوں کے دل بہلائے خوش کرے اور اُن کے جنسی جذبات کی تسکین کا سامان مہیا کرے یا پھر وہ یہ کام نہ کرے تو دفتروں سکولوں کالجوں ہسپتالوں عدالتوں کارخانوں اور کمپنیوں میں ٹائپسٹ اسٹینوگرافر، ٹیچر، پروفیسر اور ڈاکٹر کے طور پر دن بھر ڈیوٹی ادا کرے اور یہاں بھی مرد کی وابستگی کا سامان بنے پھر شام کو گھریلو ذمہ داریاں، بچوں کی پیدائش و پرورش اور خوراک و پوشاک کے روزانہ انتظامات پُورے کرے گویا معاشرتی و معاشی ذمہ داریاں بیک وقت انجام دے اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو تنہائی کی زندگی گزار دے اور جب بیمار ہو تو ہسپتال میں داخل ہو جائے جب بُوڑھی ہو تو محتاج خانے میں داخل ہو جائے اور جب موت آجائے تو لاوارث لاش کے طور پر زیرِ زمین اِسے دفن کر دیا جائے۔

عیسائیت میں عورت کا مقام ذلّت آمیز ہندومت میں عورت کا مقام انسانیت سوز، تعلیم یافتہ اور ترقّی یافتہ اقوامِ مغرب میں عورت کا مقام تقدس و احترام سے خالی ہے مگر اسلام وہ واحد مذہب ہے جو عورت کو بالکل دُرست مقام عطا کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت انسانی معاشرہ کی اکائی یعنی خاندان کا ایک لازمی اور ناگزیر جزو ہے ایک خاندان کے اجزائے ترکیبی ایک مرد ایک عورت اور اُن کے بچّے ہیں خاندان کی تشکیل کے لیے مرد و عورت کا باہمی تعلّق ضروری ہے اس تعلّق کے لیے اسلام نے مرد و عورت کے مابین نکاح کا طریقہ اختیار کیا۔ نکاح ایک مجلس میں دو گواہوں کی شہادت اور حق مہر کی بناء پر قائم ہوتا ہے اور یہ رشتہ دونوں کے مابین موت تک اکٹھے مِل جل کر رہنے اور گھریلو اور معاشرتی ذمہ داریاں ادا کرنے کا اخلاقی اور قانونی وعدہ ہے یہ رشتہ محبّت اور باہمی یگانگت اور خیر خواہی کے فطری جذبہ کے ساتھ چلتا ہے۔ دونوں پر ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں جن کا پورا کرنا ایک دوسرے پر لازم ہے۔ دونوں کے فرائض بھی مقرر کر دیے گئے ہیں مرد کے ذمہ بیرونِ خانہ معاشی اور اجتماعی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں اور عورت پر خانگی اور معاشرتی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ عورت کو گھر کی مالکہ کا درجہ دیا گیا ہے اِسے باقاعدہ ایک محترم انسانی وجود تسلیم کیا گیا ہے جو اپنی ذات، اعمال، ایمان و اخلاق مال و اولاد کے بارے میں حقوق و اختیار

رکھتی ہے۔ یہ حقوق و اختیارات اسے اپنے پیدا کرنے والے کی طرف سے عنایت ہوئے ہیں اگر کوئی اس کو ان سے محروم کرنا چاہے تو وہ عدالت کے ذریعے اُن کو واپس حاصل کر سکتی ہے یہ تو تھے وہ حقوق و اختیارات جو عورت کو خاوند کے مقابلے میں دیئے گئے ہیں۔ اسلام نے ویسے بھی عورت کو بحیثیت ایک فرد معاشرہ میں نہایت مقدس مقام دیا ہے۔ کوئی شخص اسے بُری نظر سے دیکھ نہیں سکتا اگر کوئی شخص اسے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے تو اسلام ایسے شخص پر کوڑے برساتا ہے اور اگر متعلقہ شخص شادی شُدہ ہے تو اسلام پتھروں کی بارش کر کے اِسے ایسی سزا دیتا ہے کہ وہ آئندہ دل میں اس قسم کا خیال لا ہی نہیں سکتا۔ اسلام میں عورت کو ماں بہن اور بیٹی کا مقدس مقام دیا گیا ہے اور ہر مُسلمان اس تقدس کو قائم اور محفوظ رکھنے کا پابند ہے۔ اسلام نے عورت کے خاوند اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کی وراثت میں اُس کا قانونی حصّہ مقرر کیا ہے گویا اسلام نے عورت کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور قانونی حقوق مقرر کر کے اسے تاقیامت ایک پاکیزہ اعلیٰ مقام دیا ہے جس سے انسانی معاشرہ کی تشکیل اور تنظیم ہوتی ہے اور اِسے استحکام اور بقائے دائمی حاصل ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت محض ایک جنسی وجود ہی نہیں بلکہ معاشرہ کی تشکیل میں خشتِ اوّلین کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی محنتوں اور قربانیوں کے طفیل یہ انسانی معاشرہ قائم و دائم ہے۔ اگر اسے ایک جنسی کھلونا اور ناپاک وجود تصوّر کر کے اپنے صحیح فطری مقام سے گرا دیا جائے تو انسانی معاشرہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے اس سلسلے میں موجودہ برطانیہ کی مثال دورِ حاضر کی بہترین مثال ہے غرض عورت کو جو مقام و منصب اسلام نے بخشا ہے وہی انسانی معاشرہ کے تقدس اور استحکام و بقاء کے لیے مفید و ناگزیر ہے اس کے علاوہ عورت کے بارے میں دیگر تصوّرات ایک طرف توہینِ نسوانیت ہے اور دوسری طرف انسانی معاشرہ کے لیے نقصان دہ بلکہ تباہ کُن ہیں۔ آپ نے اسلام اور دیگر مذاہب میں عورت کا کیا مقام ہے ملاحظہ فرما لیا اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کو کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ بحیثیتِ مُسلمان خاتون آپ کو کیا کرنا چاہیے یہ بخوبی آپ کے علم میں ہے آخر میں بس یہی دُعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ مُسلمان مرد و زن کو اخلاص کے ساتھ دینِ اسلام پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین ثم آمین

مولانا نعیم الدّین صاحب
جامعہ مدنیہ لاہور

(قسط اوّل)

مولانا اوکاڑوی مرحوم

ایک شخصیّت۔ ایک تحریک

❁

دُنیا میں رات دن آنے اور جانے کا سلسلہ جاری ہے، قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا یہاں کسی کو دوام نہیں، لوگ آتے ہیں اور کاروانِ زندگی سے بچھڑ جاتے ہیں، لیکن بعض شخصیّتیں دُنیا کو اِس طرح داغِ مفارقت دیتی ہیں کہ اُن کی جُدائی کے صدمے سے آنکھیں ہی اشکبار نہیں ہوتیں بلکہ دل روتے ہیں۔ اُستاذِ محترم حضرت مولانا محمّد امین اوکاڑوی مرحوم کی شخصیّت بھی کچھ ایسی ہی تھی وہ دُنیا سے کیا گئے اُن کے ہزاروں تلامذہ، متعلقین و منتسبین کی دُنیا تاریک ہوگئی۔ دعوت و ارشاد، تحقیق و تدقیق، تحدیث و تَفَقُّہ اور بحث و نظر کی بزم سونی ہوگئی۔ ؎

بچھڑے وہ اِس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

مولانا مرحوم کے انتقال سے برِّصغیر پاک و ہند حدیث و فقہ رجال و تاریخ اور مناظرہ و کلام کی ایک بے مثال شخصیّت سے محروم ہوگیا، بالخصوص احناف کے لیے آپ کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے کہ برسوں اُس کی کسک محسوس کی جاتی رہے گی اور آپ کے رُخصت ہوجانے سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے وہ پُر نہیں کیا جاسکے گا۔

یُوں تو ہر شخصیّت ہی کسی نہ کسی خُوبی کی حامل ہوتی ہے لیکن قدرت نے جس فیاضی کے ساتھ مولانا اوکاڑوی مرحوم کو خُوبیوں سے نوازا تھا وہ کم ہی کسی میں نظر آتی ہیں۔

مولانا مرحوم بیک وقت محقق بھی تھے مفکّر بھی تھے۔ متکلم بھی تھے مناظر بھی تھے بحّاث بھی تھے نقّاد بھی تھے فقیہ بھی تھے، محدّث بھی تھے، دَاعیٔ بھی تھے مُبَلِّغ بھی تھے، مدرس بھی تھے۔ معلّم بھی تھے، مقرّر بھی تھے، مصنّف بھی تھے، عالی قدر بھی تھے۔ متواضع بھی تھے، عابد بھی تھے، زاہد بھی تھے، غازی بھی تھے، مجاہد بھی تھے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

راقم الحروف کو مولانا مرحوم سے شرفِ تلمذ کے ساتھ ساتھ نیاز مندانہ تعلّق بھی حاصل تھا۔ مولانا مرحوم ناچیز پر بے انتہا شفقت فرمایا کرتے تھے۔ لاہور تشریف لاتے تو اکثر مکتبہ پر قدم رنجہ فرماتے۔ تھوڑی دیر کے قیام میں وہ پیار دیتے کہ مدّتوں یاد رہتا۔

راقم کا مولانا مرحوم سے تعارف اور تعلّق خاصا پرانا ہے، پہلی ملاقات کا خاکہ ذہن میں کچھ اس طرح سے آتا ہے کہ دورِ طالب علمی میں ہمارا اپنے اُستاذ محترم حضرت قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ کے ہاں آنا جانا رہتا تھا۔ وہاں بہت سے عُلمارِ کرام تشریف لاتے تھے جن سے، ہمیں بھی شرف ملاقات حاصل ہوجاتا تھا۔ بہت سے عُلماء ایسے تھے۔ جن کا نام کانوں میں پڑتا رہتا تھا۔ اُن اکابر عُلماء میں سے ایک نام حضرت مولانا محمدؒ امین اوکاڑویؒ کا تھا۔ ہمارے اُستاذ محترم حضرت قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ بچپن میں اوکاڑہ میں قیام کے دوران مولانا اوکاڑوی مرحوم کی گودوں میں کھیلے تھے اور دونوں بزرگوں میں ایک قدرِ مشترک بھی پائی جاتی تھی کہ دونوں کو فرقِ باطلہ کے ردّ سے جنونی حد تک لگاؤ تھا اس لحاظ سے اکثر حضرت قاری صاحبؒ کی زبان سے مولانا اوکاڑوی مرحوم کا تذکرہ سُننے میں آتا تھا۔

غالباً ۱۹۷۷ء کی بات ہے کہ ہم گرمی کے دنوں میں حضرت قاری صاحبؒ کی مسجد جانی شاہ مزنگ میں مغرب کے بعد حاضر ہُوئے۔ حضرت قاری صاحبؒ مسجد کے صحن میں طلباء کے ساتھ تشریف فرما تھے آپ کے ساتھ ایک اور مولانا جو بالکل سادہ سی وضع قطع کے دیہاتی سے معلوم ہوتے تھے وہ بھی بیٹھے ہُوئے تھے حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا: "یہ مولانا امین اوکاڑوی صاحب ہیں۔ اباّجی کے شاگرد ہیں اور بہت بڑے مناظر ہیں" نام تو پہلے سے سُن رکھا تھا۔ آج ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوگیا۔ میانہ قد۔ کھلتا ہُوا کتابی چہرہ گندمی رنگ ہلکی سفید ڈاڑھی، سادہ سا لباس۔ مولانا نہایت تپاک سے ملے جیسے پہلے سے جانتے ہوں، ناچیز نے مولانا سے تعارف کے بعد پہلا سوال یہ کیا کہ حضرت: "لوگ کہتے ہیں کہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی یہ سب تفرقہ بازی کی باتیں ہیں اور انھی لوگوں سے دین میں اختلاف پیدا ہُوا ہے" حضرت نے سوال سُن کر نہایت خندہ پیشانی سے بڑی تفصیل کے ساتھ اس کا جواب سمجھایا، جواب تو الحمدللہ سمجھ میں آگیا تھا اور دِل بھی مطمئن ہوگیا تھا لیکن اَب کچھ یاد نہیں کہ مولانا نے اس وقت کیا بیان کیا تھا۔ مولانا کے اس انداز سے اُن کی عقیدت دل میں بیٹھ گئی اور ایک تعلّق قائم ہوگیا جو بار بار ملاقات کے اشتیاق کا سبب بنتا رہا۔ مولانا سے جس قدر قُرب بڑھتا رہا اُتنی ہی اُن کی عقیدت محبّت سے اور محبت گرویدگی سے بدلتی گئی۔

مولانا مرحوم کی شخصیت عجیب باغ و بہار تھی وہ جس محفل میں ہوتے تھے میرِ محفل بلکہ یُوں کہیے محفل کی رونق اور جان ہوتے تھے۔ آپ کی محفل میں پریشان اور غم زدہ شخص بھی اپنی پریشانیوں اور غموں کو بھول جاتا تھا۔

مولانا کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو وہ از اوّل تا آخر قدرتِ خداوندی کا اعجاز نظر آتی ہے۔ مولانا مرحوم کا آبائی وطن بستی غزاں شہر جالندھر ہے جہاں آپ کے والد مرحوم رہا کرتے تھے۔ آپ کے والد اور دادا نہایت دیندار پابندِ صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے۔ دونوں کا پیشہ باغبانی تھا۔ مولانا کے والد میاں ولی محمد بسلسلۂ ملازمتِ باغبانی فیصل آباد قیام پذیر تھے کہ وہاں ایک بزرگ مولانا سیّد شمس الحق شاہ صاحب کی تشریف آوری ہوئی موصوف صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے، انگریزی حکومت کے باغی ہونے کی وجہ سے روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے، مولانا مرحوم کے والد میاں ولی محمدؒ اُن کی صحبت میں رہنے لگے اور آپ سے اتنے متأثر ہوئے کہ آپ سے بیعت ہوگئے، مولانا فرماتے تھے میرے والد نے ایک دن اُن سے عرض کیا کہ میرے جو بچّے پیدا ہوتے ہیں وہ چند دن یا چند ماہ بعد فوت ہوجاتے ہیں زندہ نہیں رہتے، تین لڑکے اور ایک لڑکی یکے بعد دیگرے فوت ہو چکے ہیں حضرت سیّد شمس الحق نے میرے والد سے فرمایا: "ولی محمدؒ گھبراؤ نہیں تم اللہ کے فضل وکرم سے سات بیٹوں کا منہ دھوگے۔ ہاں یہ نیت رکھو کہ اللہ بیٹا دے گا تو عالم بناؤں گا"۔ مولانا فرماتے تھے "اس کے بعد میری ولادت ہوئی آپ کی ولادت ریاست بیکانیر کے ضلع گنگانگر میں ۴ اپریل ۱۹۳۴ء میں ہوئی تھی، مولانا فرماتے تھے "میرا نام محمدؐ امین اُنہی سیّد شمس الحق صاحب نے رکھا تھا"۔ پھر یہ بزرگ صادق آباد چلے گئے، میرے بعد چھ بھائی پیدا ہوئے اور والد صاحب نے واقعی سات بیٹوں کا منہ دھویا۔ اس طرح حضرت سیّد شمس الحق نے جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ پُوری ہوئی پھر ایک طویل عرصہ کے بعد سیّد صاحبؒ صادق آباد سے بغرض علاج لاہور تشریف لاتے، لاہور میں ٹکسالی دروازہ کے اندر ایک مسجد میں آپ کے بھائی سیّد نور الحق صاحب امام وخطیب تھے جو بہترین طبیب بھی تھے اُن کے پاس آپ نے قیام فرمایا اِس وقت مولانا اوکاڑوی مرحوم کی عمر تقریباً بارہ تیرہ سال کی تھی۔ مولانا اپنے والد صاحب کے ساتھ لاہور تشریف لائے، سیّد صاحبؒ کی زیارت ہوئی سیّد صاحبؒ نے والد صاحبؒ سے پُوچھا یہ محمدؐ امین ہے؟ والد صاحب نے عرض کیا کہ جی یہ محمدؐ امین ہے، دُعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اسے عالم بنائیں مولانا فرماتے تھے حضرت اقدس چارپائی پر لیٹے ہُوئے تھے مَیں نے سر جُھکا کر سلام عرض کیا حضرت رحمہ اللہ نے بڑے پیار سے میرے سَر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: "ولی محمدؐ یہ لڑکا مولوی بنے گا۔ مناظر بنے گا"۔ مولانا اوکاڑوی مرحوم فرماتے تھے

مَیں سوچا کرتا ہوں کہ حضرت اقدس کی زبان مُبارک سے نکلے ہُوئے اس جملہ کو اللہ تعالیٰ نے کیسا شرف قبول بخشا۔" سچ ہے قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ مولانا اوکاڑوی مرحوم کی پیدائش بھی ایک ولیِ کامل صاحبِ کشف وکرامت بزرگ کی دُعا کے طفیل ہُوئی اور آپ کا عالم ومناظر بننا بھی ولیِ کامل کی پیش گوئی کے مطابق ہُوا۔

تعلیم وتربیت

شاید اسی لیے تقدیر نے آپ کی تعلیم و تربیت کا انداز عام دستور سے الگ رکھا، آپ ذرا بڑے ہُوئے تو والد صاحب نے اسکول بٹھا دیا۔ یہاں آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ دورانِ تعلیم آپ کے والد نے آپ کو قرآن پاک کی تعلیم کے لیے قریب کی ایک مسجد میں جو غیر مقلدین حضرات کی تھی وہاں بٹھا دیا۔ مولانا فرماتے تھے یہاں میں اپنے استاذ حافظ محمد رمضان صاحب کی تبلیغ سے غیر مقلد بن گیا۔ اسکول کی تعلیم میں آپ نے عربی بھی لی تھی۔ عربی میں دسترس حاصل کرنے کے لیے آپ مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کے پاس جانے لگے، اتّفاق سے یہ بزرگ بھی غیر مقلد تھے۔ چنانچہ اُن کی صُحبت میں رہنے سے مولانا غیر مقلدیّت میں مزید پُختہ ہوگئے مگر قدرت کو آپ سے حق کا کام لینا منظور تھا اس لیے غیب سے آپ کی رشد وہدایت اور تعلیم وتربیت کا یہ سامان ہُوا کہ حضرت مولانا عبدالقدیر صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالحنان صاحبؒ جو حضرت علاّمہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے اجل تلامذہ میں سے تھے اور دیوبند کے فاضل تھے۔ جامعہ محمودیہ عیدگاہ اوکاڑہ تشریف لائے تقدیر نے مولانا اوکاڑوی مرحوم کو ان حضرات کی خدمت میں پہنچا دیا۔ مولانا نے ان حضرات سے بھرپُور استفادہ کیا جس کا یہ اثر ہُوا کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد مولانا نے غیر مقلدیّت سے رجوع کر کے مسلکِ حق کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ ان حضرات کے علاوہ آپ نے مولانا ضیاء الدّین سیوہاروی مرحوم اور حضرت مولانا مفتی عبدالحمید سیتاپوری دامت برکاتہم سے بھی کسبِ فیض کیا تھا۔

ایک مغالطہ

مولانا اوکاڑوی مرحوم کا تعلّق چونکہ اسکول سے زیادہ رہا اس لیے غیر مقلّدین حضرات تو ازراہِ بغض وحسد مولانا کو ماسٹر کہتے ہیں۔ بہت سے اپنے لوگ بھی مولانا مرحوم کو ماسٹر امین کہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف ماسٹر تھے عالم نہیں تھے۔ اس کی بڑی وجہ تو ناواقفیّت ہے، ان حضرات کو مولانا مرحوم کی علمی وسعت کا اندازہ ہی

نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خود مولانا اوکاڑوی مرحوم جہاں جاتے ازراہِ تواضع اپنے آپ کو ماسٹر ہی کہتے اس سے اِن حضرات کو غلط فہمی ہُوئی اور یہ سمجھنے لگے کہ واقعی آپ صرف ماسٹر ہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اوکاڑوی مرحوم نے درسِ نظامی کی کتابیں باقاعدہ پڑھی تھیں اور اپنے دَور کے اکابر عُلماء سے علم حاصل کیا تھا اتنی بات ضرور ہے کہ آپ کی تعلیم مروجہ طریقہ کے مطابق نہیں ہُوئی اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ مولانا مرحوم کی تحریر و تقریر اور تعلیم و تدریس اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ آپ کو تمام علوم میں دسترس حاصل تھی بالخصوص فقہ اور حدیث و رجال میں تو ایسی مہارت تھی کہ موجودہ دَور میں اس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔

تحصیلِ علم کے بعد مولانا مرحوم نے معاشی حالات کی وجہ سے مجبوراً "ستلج کاٹن ہائی اسکول" اوکاڑہ میں بطورِ اَنٹرینڈ عربی ٹیچر ملازمت اختیار کرلی، اس دوران آپ ملازمت کے ساتھ ساتھ دینی و ملّی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔

مولانا اوکاڑوی مرحوم کی دینی و ملّی خدمات

حضرت اوکاڑوی مرحوم کی دینی و ملّی خدمات اس قدر ہیں کہ اُن کا اندازہ کرنا اور ضبطِ تحریر میں لانا مشکل ہے ہے، ناچیز اپنے محتاط اندازہ سے چند خدمات کا مختصراً تذکرہ ضروری سمجھتا ہے۔

(۱) آپ نے بیس برس اپنے گاؤں کی مسجد میں نماز فجر کے بعد بلامعاوضہ درسِ قرآن دیا جس میں دو دفعہ مکمّل قرآن پاک کا درس ختم ہُوا۔ اس درس کی بناء پر بہت سے گم کردہ راہوں کی اصلاح ہُوئی۔

(۲) دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے سلسلہ میں ملک کے کونے کونے میں تشریف لے گئے اور خلقِ خُدا کی رشد و ہدایت کا کام کیا۔

(۳) احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے مختلف فرقوں کے عُلماء سے ۳۰۰ سے زائد مناظرے کیے جن میں خداوند تعالیٰ نے آپ کو سرخرو فرمایا۔

(۴) مختلف شہروں اور قصبات میں جاکر فرقِ باطلہ سے نبرد آزما ہونے کے لیے سوئے ہُوئے عُلماء و عوام کو جگایا اور اُن میں باطل سے ٹکرانے کی خُو پیدا کی۔

(۵) فتنۂ غیر مقلّدیت کے خلاف پُورے ملک میں تن تنہا وہ کام کیا جو ایک بڑی جماعت کے لیے بھی مشکل ہے۔

(۶) آپ نے ذہن سازی کے ساتھ ساتھ افراد سازی پر بھی بھرپُور توجہ دی اور ملک کے طول و عرض میں

باطل سے نبٹنے کے لیے لاتعداد افراد کی جماعت تیار کردی۔

(۷) آپ کے وعظ و نصیحت اور احقاقِ حق کے طفیل ہزاروں افراد نے عیسائیت، مرزائیت، رضاخانیت اور غیر مقلدیت سے توبہ کی اور دین کے سچے داعی بن گئے۔

(۸) درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اُمّتِ مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ مختلف اوقات میں متعدد مقامات پر تدریس کا کام کیا۔ ان مقامات میں "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" علامہ بنوری ٹاؤن کراچی اور "خیر المدارس" ملتان سرِفہرست ہیں۔

(۹) حالاتِ حاضرہ کے مطابق متعدد رسائل و جرائد میں نہایت وقیع مضامین لکھے جن میں اہلِ حق کی طرف سے دفاع کا فریضہ انجام دیا۔ اخیر عمر کے چھ سال متواتر آپ کے مضامین "ماہنامہ الخیر" میں چھپتے رہے۔

فتنۂ غیر مقلدیت کی تردید سے متعلق مختلف موضوعات پر بہت سے رسائل تحریر فرمائے جو مجموعۂ رسائل کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

ان کے علاوہ آپ کے تحریر کردہ دیگر مضامین "تجلیاتِ صفدر" کے نام سے چار جلدوں میں الگ شائع ہو رہے ہیں۔

(۱۰) زندگی کے اخیر سالوں میں آپ نے رفقاء و خدام کے اصرار پر "اتحادِ اہلِ سنّت" کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی جس کے امیر آپ ہی بنائے گئے۔

مولانا اوکاڑوی کی خصوصیات و امتیازات

مولانا اوکاڑوی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ میں بہت سی باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جو آپ ہی کے ساتھ خاص تھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ"[۱] سادگی ایمان کا حصہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد مبارک کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم مولانا اوکاڑوی مرحوم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ سادگی کا مرقع نظر آتی ہے۔ آپ کے لباس و پوشاک میں سادگی، کھانے پینے اور کردار و گفتار میں سادگی، سفر و حضر اور نشست و برخاست میں سادگی، الغرض آپ کی ہر چیز اور ہر بات سادگی کا آئینہ دار تھی، باوجودیکہ قدرت نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا اور ہر جگہ و ہر طبقہ میں آپ کا اثر تھا لیکن

---

[۱] ابوداؤد شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۵

اس کے باوجود آپ میں سادگی اور مَسکَنَت اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپ سے ناواقف آدمی کے لیے آپ کو عالم و مناظر سمجھنا مشکل تھا۔

آپ بارہا ناچیز کے مکان و مکتبہ پر تشریف لاتے اور عام آدمیوں کی طرح ایسے بے تکلّف انداز میں رہتے کہ خود ناچیز کو شرمندگی سی ہونے لگی۔ آپ کی زندگی میں نہ کوئی پروٹوکول تھا نہ ہٹو بچو کا شور تھا۔ خاموشی سے آتے تھے اور خاموشی سے چلے جاتے تھے نہ کھانے پینے میں تکلّف تھا نہ آنے جانے میں۔

سادگی کے ساتھ مولانا مرحوم میں تواضع اور عاجزی بھی انتہا درجہ کی تھی۔ باوجودیکہ آپ ایک کامیاب مناظر مقبول ترین خطیب و مقرر اور حق کے بیباک ترجمان تھے لیکن آپ کے قول و فعل سے کسی قسم کی نمود و نمائش، تعلّی اور بڑائی کا اظہار نہیں ہوتا تھا جس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرتے، آپ اُسے اپنے اکابر کا طفیل قرار دیتے۔ آپ کا ہر ایک سے ملنے کا انداز مشفقانہ تھا جس سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ مولانا کو مجھ سے بہت زیادہ تعلق ہے، ناچیز کا جب مولانا سے ملنے کو جی چاہتا ایک خط لکھ دیتا آپ کسی قریبی پروگرام میں شرکت کے موقع پر تشریف لے آتے۔

مولانا مرحوم کو اکابر علماء دیوبند پر انتہائی درجہ کا اعتماد اور عشق کے درجہ کی عقیدت و محبّت تھی، اپنی محفلوں میں نہایت عقیدت و احترام سے اکابر کا تذکرہ کرتے تھے آپ کے دل میں یہ بات نہایت راسخ تھی کہ نجات کا راستہ اکابر کے ساتھ وابستگی میں ہے آپ اپنے اکابر کے مسلک و مشرب پر سختی کے ساتھ کاربند تھے اور اکابر کے مسلک و مشرب سے سرِمو انحراف کو گوارا نہیں کرتے تھے آپ کسی ایسے شخص کو دیوبندی ماننے کے لیے تیّار نہ تھے جو اکابرِ دیوبند کے مسلک و مشرب سے ذرا بھی اختلاف رکھتا ہو۔

مولانا مرحوم میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ چھوٹوں کو آگے بڑھانے کی فکر میں رہتے تھے، اُنہیں علمی میدان میں آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے تھے اور کام کرنے کا طریقہ سمجھاتے تھے۔ ناچیز کے پلّہ غیر مقلّدیّت سے متعلّق جو تھوڑی سی شُد بُد ہے سب مولانا کا طفیل ہے۔ راقم نے جب غیر مقلّدین سے متعلّق ایک کتاب لکھنی شروع کی اور اُس کے لیے حوالوں کی ضرورت پڑی تو مولانا نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ اپنی ذاتی اور نایاب کتابوں کا ڈھیر میرے سامنے لاکر رکھ دیا اور جب کتاب تیّار ہو کر مولانا کے پاس پہنچی تو ایک ہی رات میں تمام کتاب پڑھ ڈالی اور راقم کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس پر تقریظ لکھ کر دی اور پُورے ملک میں اس کا تعارف کروایا۔

مولانا اوکاڑوی مرحوم میں یہ خُوبی بھی تھی کہ آپ نایاب چیزوں کو چھپانے کے بجائے اُن کو عام کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ اگر کوئی استفادہ کی غرض سے مولانا سے کوئی سی کتاب مانگتا تو مرحمت فرماتے تھے انکار نہیں کرتے تھے۔ مولانا نے ناچیز کو بہت سی نایاب کتابیں جن کی حوالہ کے لیے ضرورت پڑتی تھی اشاعت کے لیے عنایت فرمائیں۔

مولانا اوکاڑوی مرحوم باوجودیکہ کثیر العیال تھے اور مالی طور پر مستحکم بھی نہ تھے لیکن اس کے باوجود خودداری اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہُوئی تھی کہ شدید مصائب و آلام میں مبتلا ہونے کے باوجود کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے۔ دعوتی پروگرام میں شرکت کے لیے کبھی بھی پیسوں کا مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی خوشی سے خدمت کرتا تو چاہے وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو قبول فرمالیتے تھے۔ مولانا مرحوم میں یہ بات دیکھنے میں آتی تھی کہ آپ اپنے اسلاف کی طرح خاموشی کے ساتھ اپنے رفقاء و خدّام کی مدد کیا کرتے تھے، حتّٰی کہ تلامذہ کو اگر کتابوں کی ضرورت پڑتی تو خوشی کے ساتھ فراہم کر دیا کرتے تھے۔

مولانا مرحوم کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا غریب ہونے کی وجہ سے کتابیں فراہم نہ کرسکتے تو بڑی تکلیف محسوس کرتے۔ راقم کو ایک دفعہ بتلایا کہ شروع میں مجھے "نصب الرایہ" کی ضرورت تھی وہ ایک جگہ سے معمولی قیمت پر مل رہی تھی لیکن پیسے نہ ہونے کی وجہ سے میں خرید نہ سکا تو بہت رونا آیا روتے روتے سوگیا تو خواب میں نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہوئی فرمایا: کیوں روتا ہے؟ عرض کیا کتاب کی ضرورت ہے لیکن پیسے نہیں کہ خرید سکوں فرمایا: "صبر کر مل جائے گی"۔ خدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ چند ہی روز بعد مجھے وہ کتاب مل گئی۔ مولانا اس کتاب کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میں حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے میرے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر فرمایا کونسی کتاب ہے؟ عرض کیا کہ "نصب الرایہ" ہے فرمایا: یہ تو احادیثِ احکام کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

مولانا نے شوقِ مطالعہ کی تسکین کے لیے اپنے ذاتی صرفہ سے لاتعداد کتابیں جمع فرمالی تھیں۔ ناچیز سے نئی آنے والی کُتب کے بارے میں استفسار فرماتے رہتے تھے، آپ کا جذبہ یہ تھا کہ کتابوں کے سلسلہ میں خود کفیل ہونا چاہیے۔

مولانا مرحوم بے پناہ صلاحیتّوں کے مالک تھے ذہن رسا تھا، حافظہ غضب کا تھا تمام علوم مستحضر تھے کثرت کے ساتھ احادیث مُبارکہ نوکِ زبان تھیں اور اُن کے رجال کے حالات ایسے از بر تھے کہ سُن کر حیرت ہوتی تھی اپنے مناظروں کے احوال اس روانی سے سُناتے تھے جیسے کتاب میں دیکھ کر پڑھ رہے ہوں۔ حدیث اور رجالِ حدیث پر اس قدر گہری نظر تھی کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

مولانا اوکاڑوی مرحوم نے حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں نور اللہ مرقدہ کی حیات میں دو بار جامعہ مدنیہ کے طلباء کو مناظرہ پڑھایا، ہمارے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ رات کو جاگنے کے عادی تھے جب رات ہوتی تو مولانا اوکاڑوی مرحوم کو بیٹھک میں بلا لیتے اور کئی کئی گھنٹے محوِ گفتگو رہتے۔ مولانا اوکاڑوی مرحوم جب یہ دعویٰ کرتے کہ یہ حدیث پورے ذخیرۂ حدیث میں نہیں ملتی تو حضرتؒ اس پر بڑی حیرت کا اظہار فرماتے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا اوکاڑوی مرحوم کے خاص رجسٹر جن میں آپ نے اپنی یادداشتیں اور نوٹس لکھ رکھے تھے اُن کی دو کاپیاں کرواکر مدرسے میں محفوظ فرمادی تھیں۔

مولانا اوکاڑوی مرحوم کو بات سمجھانے کا خاص سلیقہ اور ملکہ حاصل تھا۔ بڑے سے بڑے لاینحل مسائل کو مثال سے سمجھا کر چٹکیوں میں حل کردیتے تھے۔ سائل کو اس کے سوال کا ایسا برمحل اور برموقع جواب دیتے کہ کھڑا مُنہ دیکھتا رہ جاتا۔ ناچیز آگے چل کر آپ کے کچھ ملفوظات قارئین کی نذر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس سے قارئین مولانا کے اندازِ تفہیم اور مسائل کے جواب اور حل کا کچھ اندازہ کرسکیں گے۔

مولانا اوکاڑوی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر اعتماد و توکل اور تسلیم و رضا کی صفت عطا فرمائی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کے بیشمار مخالفین اور اَعداء موجود تھے جو آپ کو زک پہنچانے کی فکر میں رہتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کسی قسم کی پرواہ کیے بغیر بے خوف وخطر ہر جگہ آتے جاتے تھے اور کوئی محافظ ساتھ نہ رکھتے تھے، آپ کو مخالفین کی طرف سے بارہا سخت تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ پر قاتلانہ حملے ہوئے آپ کو مارا گیا گلا گھونٹا گیا لیکن کبھی آپ کی زبان سے حرفِ شکایت نہیں سُنا گیا۔ آپ یہ سب کچھ دین کی خاطر برداشت کر گئے۔

؎ عشق میں تیرے کوہِ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو — عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

اخیر عمر میں آپ کے صاحبزادے عثمان کی گرفتاری کا سنگین معاملہ بھی آپ کے پائے ثبات میں معمولی سی لغزش نہیں لا سکا۔

؎ راہِ الفت میں گو ہم پر بہت مُشکل مقام آئے — نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

مولانا مرحوم شاداں و فرحاں رہنے کے عادی تھے۔ مصائب کے پہاڑ گرنے کے باوجود بھی آپ کے چہرہ سے پریشانی کے آثار نظر نہیں آتے تھے شاید شاعر نے آپ ہی کے لیے کہا تھا۔

؎ ہجومِ غم میری فطرت بدل نہیں سکتا — کروں میں کیا میری عادت ہے مُسکرانے کی

پیرانہ سالی اور کثیر الامراض ہونے کے باوجود مولانا کے مزاج میں چڑچڑاپن اور خشکی نام کو بھی نہیں تھی آپ خود بھی ہنسنے کے عادی تھے اور دوسروں کو بھی ہنساتے تھے۔ ہمیشہ آپ کے چہرہ پر ایک دِل آویز مُسکراہٹ رہتی تھی جو وفات کے بعد بھی چہرہ پر بدستور باقی رہی۔

قاری سمیع الحق
حضرو ضلع اٹک

اُستاذ کا مقام

تعلیم کے سلسلے میں ماہرینِ تعلیم اور دانشوروں، اخبار نویسوں اور کالم نویسوں نے کافی کچھ لکھا، اور محترم قارئین نے پڑھا ہے۔ مگر ایک مسئلہ کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی! اور وہ ہے آدابِ اُستاذ۔ تعلیم کی اسلامی روایت میں اُستاد کو نہایت مؤثر اور مثبت مقام حاصل ہے۔ اس پیشہ کی تقدیس کا احساس اس سے ہوتا ہے کہ دراصل یہ خود انبیاءؑ کا کام ہے۔ وہ بنیادی طور پر انسان کو علم عطا کرنے ہی آئے تھے۔ نبی کریم آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " انما بعثت معلما " بلاشبہ مجھے اُستاذ بنا کر بھیجا گیا ہے۔" اُستاد کی حیثیت روحانی باپ کی ہے۔ اسلام کی تعلیمی تاریخ میں طالب علموں کی جانب سے عزت و احترام اور خدمت اور اساتذہ کی جانب سے محبت و شفقت خیر خواہی، دلسوزی کی نہایت جاندار روایت ملتی ہے۔ اِس جدید دَور میں نئے تقاضوں کے تحت اور نظام تعلیم میں بگاڑ پیدا ہونے کے سبب یہ رشتہ بھی مجروح ہوا ہے۔ نظامِ تعلیم کی اسلامی خطوط پر تشکیل اِس رشتہ کو از سرِ نو زندہ کرنے کا باعث بنے گی، اُستاد کو بھی اس کی فکر ہوگی کہ وہ اپنے شاگرد سے بے تعلقی کا رویہ نہ رکھے بلکہ اس کے بُرے بھلے کی ذمہ داری محسوس کرے اور شاگرد بھی اُستاد کے ادب و احترام میں کمی نہ کرے۔ اُستاد کے مربی ہونے کے تصور کا احیاء ہونا چاہیے۔ تعلیم کے کسی بھی نظام میں اُستاد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ مقاصدِ تعلیم کے حصول میں اُس کا کردار بنیادی ہوتا ہے۔ کاغذ پر بنائے گئے تمام منصوبوں کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اُستاد کے تعاون پر ہوتا ہے۔ اِس لیے فنِ تدریس کی تمام کتب اُستاد کے منصب و مقام کی اہمیت کو بیان کرتی ہیں اور جدید دَور کا ہر نظامِ تعلیم اُستاد کی اپنی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کرتا ہے۔ قاضی ابن الجماعہؒ نے ایسے آداب اور آئین جنہیں اسلامی نقطہ نظر سے شاگردوں کو اپنے اُستاد کے ساتھ معاشرتی زندگی میں برتنا چاہیے، تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان سے اسلامی عہد میں اُستاد و شاگرد کی باہمی معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔ طالب علموں کا فرض ہے کہ وہ اُستاد کو عظمت کی نگاہ سے دیکھیں اور یقین رکھیں کہ وہ

کمال کے درجہ پر فائز ہے۔ اسی طرح امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "جب میں امام مالکؒ کے سامنے کتاب کا ورق اُلٹتا تھا تو اُن کی ہیبت کی وجہ سے اس قدر آہستہ اُلٹتا کہ وہ سُننے نہ پائیں" اور اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کا نام تعظیمی الفاظ بڑھائے بغیر زبان پر نہ لانا چاہیے۔ ہر مجلس میں اُستاد کی عزّت اور حُرمت کا لحاظ رکھنا چاہیے اگر کسی موقع پر کوئی شخص اس کی شان میں ادب سے پیش نہ آئے یا ناروا نکتہ چینی کرے تو فوراً اپنی ناراضگی ظاہر کر کے اس کی مدافعت کرنی چاہیے اور اگر غیظ و غضب کے ظاہر کرنے کا موقع نہ ہو تو اس مجلس سے اُٹھ جانا چاہیے۔ اس کی عادتوں اور خصلتوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس کی زندگی میں اس کے لیے بھلائی کی دُعا کرنی چاہیے اور اس کی وفات کے بعد اس کی قبر کی زیارت کر کے اس کے لیے مغفرت کی دُعا مانگنی چاہیے۔

اور اس کی اولاد اور عزیز و اقارب سے محبّت اور تعظیم سے پیش آنا چاہیے کہ اصل میں یہ تعظیم اپنے اُستاد کی ہوگی۔ اُستاد جو کچھ رشد و ہدایت کی راہ دکھائے، اس پر اس کا شُکریہ ادا کرنا چاہیے۔ اُستاد کے یہاں بغیر اجازت حاصل کیے نہ جانا چاہیے۔ اُستاد سے پڑھنے پڑھانے کے لیے کسی ایسے وقت کا مطالبہ نہ کرنا چاہیے جو اس پر گراں گزرے۔ اُستاد کے سامنے پُورے اَدب سے بیٹھنا چاہیے، بیٹھنے میں تواضع، انکسار اور خشوع و خضوع ظاہر ہو، اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ اسی طرح اُٹھنے بیٹھنے کے جتنے معلوم طریقے ہیں ان میں جو غیر مہذّب اور بے تکلّفی کے طریقے ہیں، اُنہیں اُستاد کے سامنے اختیار نہ کرنا چاہیے۔ اُستاد سے ہم کلام ہونے میں تہذیب اور اَدب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔" اُستاد کے کلام کے سلسلہ کو بیچ سے نہ توڑنا چاہیے اور نہ اس کی گفتگو کے درمیان اپنی جماعت کے کسی دوسرے شخص سے باتیں کرنی چاہئیں۔ "حضرت علی کرم اللہ وجہہ" فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھایا، اسے اختیار ہے، چاہے وہ مجھے بیچ دے چاہے آزاد کرے، چاہے غلام بنائے رہے۔" شاگرد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اُستاد کا کامل مطیع اس طریقہ سے ہو جیسے ایک مریض ماہر طبیب کے آگے ہوتا ہے۔ اُسے ہر وقت اُستاد کے چشم و ابرو کے اشارے پر چلنے کے لیے تیار اور اُس کی ہر قسم کی خدمت گزاری پر مستعد رہنا چاہیے۔ قاضی فخر الدّین ارسابندی مروکے بڑے امام سمجھے جاتے تھے۔ بادشاہِ وقت اُن کی تعظیم کرتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ" مجھے یہ منصب اُستاد کی عزّت کرنے سے حاصل ہُوا ہے۔" دوسری طرف دیکھا جائے ہمارے اس پاکستانی معاشرے میں فی زمانہ سکولوں، کالجوں، حتّٰی کہ یُونیورسٹیوں کے طالب علم اکثر و بیشتر، اُستادوں، معلّموں اور ادارۂ تعلیم کے سربراہ پرنسپل چانسلر کوئی بھی ہو، کے بارے میں بے اَدب ہوتے ہیں۔ اگرچہ اُستاد کا اَدب اُتنا ہی پڑھنے والے پر ہے

جتنا کہ ایک بیٹے پر اپنے باپ کا ہونا چاہیے اور ہوتا ہے۔" ایسا کئی موقعوں پہ ہم نے دیکھا ہے کہ بے ادب شاگرد یا سکول سے بھاگ جاتا ہے اور اگر وہ سکول سے کالج بھی پہنچا تو پھر کالج میں پورا وقت نہیں نکالتا، یا سڑکوں پر گھومتا ہوا نظر آئے گا اور ہر قسم کے جرائم پیشہ کاموں کے متمنّی بننے کی کوشش میں ہوتا ہے۔ اگر وہ یونیورسٹی تک جا پہنچا اور وہاں سے فارغ بھی ہوگیا تو پھر وہ توقعات جو اس کے والدین رشتہ دار اور معاشرہ اُس سے وابستہ کیے ہوتے ہیں۔ (سیاسی، تہذیبی، تمدّنی اور تعلیمی و مذہبی) کے حوالے سے۔ اُس پر کبھی پورا نہیں اُتر سکتا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ مَیں کوئی دُنیاوی تعلیم سکول و کالج کا مخالف نہیں ہوں۔ بلکہ عصرِ رواں میں ضروری سمجھتا ہوں لیکن یہاں بات ادب و احترام اور اُستاد و شاگرد کے باہمی ہم آہنگی اور روحانی رشتہ کے حوالے سے کر رہا ہوں۔ وہ معاشرے کے لیے وہی کچھ بن جاتا ہے جس سے آج عام شہری، دیہاتی اور اس ملک کا ہر رہنے والا، تنگ دلی نفرت اور فریاد کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جس میں ادب نہیں ہوتا وہ کامیاب نہیں بن سکتا۔" اللہ تعالیٰ ہم سب کو ادب کرنے والا بنائیں۔ جب تک اپنے اُستاد کا ادب و احترام نہیں کیا جاتا اور مُعلّم و اُستاد کو اپنے معاشرے میں وہ مقام نہیں دیا جاتا جو دینا چاہیے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات کے مطابق نہ ہو، پھر نتیجہ وہی ہوگا کہ ذہن کی بے چینی، معاشرے کے لیے نفرت کا ذریعہ، دل و دماغ میں تشکیک و شُبہات کی مُہریں، روحانیت سے دُوری اور نہ ختم ہونے والے مسائل ہمارے حصّے میں آئیں گے۔ اس کے برعکس دینی مدرسوں کے طالب علموں کو اگر دیکھا جائے تو وہ بہت تہذیب پسند، حیاء پسند اور انکسار و تواضع پسند ہوتے ہیں اور جو لڑکا کسی دار العلوم میں پڑھنے کے لیے کسی سکول و کالج کا آجاتا ہے۔ ہم نے ایسا خود کئی دفعہ دیکھا، مشاہدہ، اور تجربہ کیا ہے کہ اُس میں کچھ عرصہ کے بعد تبدیلی آجاتی ہے۔ جوں جوں وہ سبق میں آگے بڑھتا رہتا ہے اُس کی روزمرّہ زندگی بدل کر خود بخود انقلاب پذیر ہوتی جا رہی ہوتی ہے اور وہ اپنے اُستاد، ادارے کے سربراہ مہتمم و متعلم کے متعلّق آداب و احترام بدرجہ کثرت دل میں بیٹھا دیتا ہے۔ آج ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم پہلے یہ بات سوچیں کہ مجھے آگے جاکر اس معاشرے کو کیا دینا ہے اور اس معاشرے کو کس طرح ایک اسلامی و فلاحی معاشرہ بنانا ہے۔

اِس بات، ارادہ اور زاویہ کو سامنے رکھتے ہوئے پوری اسلامی تاریخ و روایات و اقدارِ سابقہ سے ہم نے سبق لینا ہے۔ مسلم معاشرہ کی روایت بھی یہی ہے کہ اُستاد کو عزّت و احترام کا مقام ملے، لیکن یہ مقام محض نیک تمنّاؤں اور خواہشوں سے نہیں ملے گا، بلکہ اسلامی حکومت کو جدید معاشرتی تقاضوں کو سامنے رکھتے

ہُوئے ایسی تدابیر اختیار کرنا چاہئیں کہ اُستاد اپنے حقیقی مقام پر فائز ہو۔ وہ نہ صرف خود اپنی نگاہ میں معزز و محترم ہو اور اپنے پیشے کو قابلِ تکریم سمجھتا ہو، بلکہ طلبہ بھی اس کا احترام کرتے ہوں، انتظامیہ بھی اس کے مرتبہ کو واقعتہً تسلیم کرتی ہو اور بحیثیّت ایک پالیسی، حکومت معاشرہ کی اسلامی تشکیل میں اُن کے کردار کی اہمیّت کو ملحوظِ خاطر رکھتی ہو۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے کے تمام طبقات اُستاد کا احترام کریں گے اور نئی نسل کے ذہین عناصر اور کچھ کرنے کا جذبہ و عزم رکھنے والے طلبہ فخر کے احساسات کے ساتھ تدریس کو اپنی زندگی میں پیشہ کے طور پر اپنائیں گے اور اختیار کریں گے۔

عُمدہ اور فینسی جِلد سازی کا عظیم مرکز

نفیس بُک بائنڈرز

NBB

ہمارے یہاں ڈائی دار اور لیمینیشن والی جِلد بنانے کا کام انتہائی معیاری طور پر کیا جاتا ہے

نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی بکس والی جِلد بھی خوبصورت انداز میں بنائی جاتی ہے

مُناسب نرخ پر معیاری جِلد سازی کے لئے رجوع فرمائیں

۱۶۔ ٹیپ روڈ نزد گھوڑا ہسپتال لاہور۔ فون 7322408

(قسط:۲، آخری)

مسقط خطرناک سازشوں کی زد میں

خلیج کے اہم ملک عمان میں فتنہ خوارج کے حیران کن اثر و رسوخ
اور دینی اقدار کی سرکاری سطح پہ پامالی کی اہم رپورٹ

محمد ابراہیم خان

❁*❁

ذرائع کے مطابق عمان میں ذرائع ابلاغ مکمل طور پر سخت حکومتی کنٹرول میں ہیں، اخبارات وجرائد اور نشر واشاعت کے تمام اداروں پر اباضی (خوارج) چھائے ہوئے ہیں جس کے باعث حکومتی منشاء و مرضی کے بغیر کوئی خبر جاری نہیں ہوسکتی۔ قتل، چوری، ڈاکہ، بنک فراڈ، وزراء کی معطلی اور انٹرویوز سمیت اباضی علماء اور مفتیوں کے سوا دیگر مسلمان علماء کرام کے بیانات یا فتاویٰ، کسی بھی قسم کے مذہبی اجتماعات، جلسہ جلوس اور مسلک کے پرچار پر مبنی مواد کی تشہیر واشاعت ممنوع ہے عمان کا اباضی میڈیا صرف اور صرف اہلِ اباضیہ سے متعلق خبروں اور مسلک کے پرچار کے لیے مخصوص ہے جس کا بنیادی مقصد اباضی گورنمنٹ کی اسلام دشمنی اور مسلمانوں پر ظلم وستم اور مذہبی پابندیوں پہ مبنی پالیسی کو اقوامِ عالم بالخصوص اُمّتِ مسلمہ کی نظروں سے اوجھل رکھنا ہے۔ واضح رہے کہ عمان میں مسلمانوں کی تعداد اباضیہ سے کہیں زیادہ ہے۔ مطرہ، باطنہ، بریمی صلالہ (عمان کے ماتحت مسلمانوں کی باقاعدہ ایک چھوٹی سی سلطنت) صور، جعلان اور وادی بنی خالہ سمیت مشرقی عمان کا بیشتر علاقہ مسلمانوں کی غالب اکثریتی آبادیوں پر مشتمل ہے۔ البتہ عمان کے صرف داخلی حصّوں نزوی اور بھلا وغیرہ میں اباضی قابلِ ذکر تعداد میں آباد ہیں مگر اس گہرے تفاوت کے باوجود حیرت انگیز طور پر اباضی اقلیّت مسلمانوں کی عظیم اکثریّت پر مسلّط ہے اور ان پر اباضی مذہب اور قوانین کا جبرًا اطلاق کیا جارہا ہے اس سلسلہ میں مغربی دُنیا کا درپردہ بھرپور تعاون حکومتِ عمان کو حاصل ہے جبکہ ملک میں قائم خُفیہ ادارے بھی مسلمانوں کو اباضیوں کے زیرِ دست اور زیرِ تسلّط رکھنے میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اباضیہ کے زیرِ کنٹرول ریڈیو، ٹیلیویژن اور اخبارات وجرائد کے ذریعے بھی اسکولوں کالجز اور جامعات (یونیورسٹیوں) سمیت

عوام میں دن رات اللہ، وطن اور سلطان پر مشتمل تین لفظی نعرے کا بھرپور پروپیگنڈہ کرتے ہوئے لوگوں کو باور کرایا جاتا ہے کہ اُوپر اللہ ہے، نیچے وطن اور وطن پر قدرت سلطان کو حاصل ہے۔ یہاں ہر چیز سلطان کی مرضی کے تابع ہے۔ اسے "مرسوم سلطانی" کہا جاتا ہے جس سے مراد خود سلطان، اس کی حکومت اور مذہب اباضیہ ہے ذرائع کے مطابق عمان میں احکامِ قرآن سے زیادہ اہمیّت اور حیثیّت مرسوم سلطانی کو حاصل ہے۔ خود عمان کے ائمہ مساجد کو حکومت کی طرف سے تحریری خطبات فراہم کیے جاتے ہیں جنھیں جمعہ کے روز نمازیوں کو پڑھ کر سُنا دیا جاتا ہے کسی بھی عالم کو اپنے طور پر جمعہ کا خطبہ دینے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شخص اپنی مرضی سے کوئی تقریر کر سکتا ہے۔ اکثر عمانی عُلماء ڈاڑھی نہیں رکھتے۔ بعض کی صرف نشان کی حد تک ڈاڑھی ہوتی ہے مزید برآں عمان کے بڑے بڑے نامور عُلماء جو شیخ کہلاتے ہیں ٹائی کوٹ اور پینٹ (پتلون) میں ملبوس رہتے ہیں۔ مصر میں نماز کے دوران اگرچہ نقلی ڈاڑھی لگا لی جاتی ہے مگر عمانی عُلماء کے نزدیک ڈاڑھی کی کوئی وقعت نہیں ہے، مساجد میں نمازیوں کی تعداد برائے نام ہوتی ہے جبکہ اُن کی نماز کا طریقہ بھی معروف طریقہ کار سے مختلف ہے۔ اہلِ اباضیہ ایرانیوں کی طرح ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں۔ نماز ختم کرنے کے بعد سلام بھی صرف ایک ہی کہتے ہیں یعنی پہلے دائیں طرف السّلام علیکم کہا جاتا ہے پھر بائیں جانب ورحمۃ اللہ کہہ دیتے ہیں۔ نماز ظہر اور نماز عصر کی رکعتوں کے دوران صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے جس کے بعد ولاالضالین، آمین کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاتے ہیں ان نمازوں کی ابتدائی دونوں رکعتوں میں قرآنِ پاک کی اور کوئی سورۃ نہیں ملائی جاتی جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک باطل طریقہ ہے۔ ایسے لوگوں کی سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی ان کا تو خیر یہ اپنا طریقہ ہے مگر... اس طریقے کے باعث اباضی ائمہ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے عام مُسلمانوں کی نمازیں ضائع ہو رہی ہیں جبکہ عمانی حکومت نے قانونی طور پر یہ پابندی عائد کر رکھی ہے کہ نماز صرف عمانی ائمہ کی اقتداء ہی میں ادا کی جائے۔ ذرائع نے مزید بتایا کہ اہلِ اباضیہ انسان کے بائیں ہاتھ کو نجس تصوّر کرتے ہیں لہٰذا یہ صرف دایاں ہاتھ اُٹھا کر صرف ایک ہاتھ سے دُعا مانگتے ہیں۔ بعدازاں یہ ہاتھ محض پیشانی پر مل لیا جاتا ہے۔ اباضیوں کے نزدیک پیشانی سے نیچے چہرے کا حصّہ نُور ہوتا ہے جس پر ہاتھ پھیرنا جائز نہیں اور چہرہ پلید ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے مناسک حج بھی عام مُسلمانوں سے مختلف ہیں۔ ذرائع کے مطابق ——— فرقہ اباضیہ کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کوئی بھی شخص جنّت میں داخل نہیں ہوگا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اباضیوں میں سے شاید ہی کوئی ہو جو شراب، زنا

اور سود جیسے کبیرہ معاصی میں مُبتلا نہ ہو اسی طرح خود ان کے عقیدے کے لحاظ سے بھی اُن کا پکّے جہنّمی ہونا عین قرینِ قیاس ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اہلِ اباضیہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت کے بھی قطعی منکر ہیں لہٰذا ان کے خارج از اسلام ہونے میں مزید کسی شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

بنار بریں! فرقہ الباضیہ کے تمام عقائد کے اسلامی احکامات و عقائد سے براہِ راست متصادم ہونے کے باعث سعودی عرب کے مفتی اعظم الشیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے فرقہ اباضیہ کے خلاف کُفر کا فتویٰ صادر فرماتے ہُوئے اباضیوں کو دائرہ اسلام سے قطعی خارج قرار دیا ہے جبکہ سعودی عرب کے دیگر کبار عُلمائے کرام بھی اباضیوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اس ضمن میں ذرائع نے بتایا کہ گزشتہ کچھ عرصہ قبل عمان سے ایک عالمِ دین حج کی ادائیگی کے لیے مکّۃ المکرّمۃ گئے ان کے ہمراہ دوسو عازمین حج کا ایک گروپ تھا جس میں عمان سے تعلّق رکھنے والے بعض اباضی بھی شامل تھے۔ قیامِ مکّہ کے دوران مذکورہ عالمِ دین نے حرم کے ایک بڑے مفتی سے استفسار کیا کہ ہمارے وفد میں چند اباضی ائمہ موجود ہیں جن کی اقتدار میں ہم عمان میں نماز پڑھتے ہیں کیا اباضیوں کی اقتدار میں نماز ہوتی ہے؟ مفتی حرم کا جواب تھا کہ "اباضی صریح کافر ہیں، آپ ان کی اقتدار میں نماز کی ادائیگی کی بابت پُوچھتے ہیں۔ میرے نزدیک تو اباضیوں کو دورانِ نماز اپنی صفوں میں کھڑے ہونے کی اجازت دینا بھی جائز نہیں یعنی یہ صحیح العقیدہ ائمہ کرام کی اقتدار میں بھی نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اُنھیں اپنی صفوں سے نکال دینا چاہیے"۔ مذکورہ استفتار اور جواب سے اہلِ اباضیہ کی مذہبی حیثیّت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سعودی عرب کے مفتیان کرام کے فتاویٰ کے بعد اب اس بات میں کوئی شک و شبہہ باقی نہیں رہا کہ اہلِ اباضیہ کافر ہیں اور اُن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ذرائع نے مزید انکشاف کرتے ہُوئے بتایا کہ ایک مرتبہ عمان میں اباضیوں کا سب سے بڑا عالم اور مفتی سعودی عرب گیا اور وہاں سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ سے مناظرہ کیا لیکن ابن باز رحمہ اللہ نے اسے کافر قرار دے کر ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ ذرائع کے مطابق شیخ عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کے اس حکم پر حکومتِ سعودیہ نے اُن سے درخواست کی کہ ہمارے سلطنت عمان سے قریبی تعلقات ہیں آپ کے اس انتہائی اقدام سے ہمارا ایک برادر عرب ملک ہم سے ناراض ہوجائے گا۔ مگر اس موقع پر بھی ابن باز رحمہ اللہ نے سعودی عرب کی حکومت کو یہ تاریخی جواب دیا کہ "تمہیں سلطان قابوس کی خفگی کا خطرہ ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ رب العزّت ناراض نہ ہوجائے"۔ آپ سلطان قابوس کو راضی کریں۔ مَیں اپنے رب کو راضی کروں گا، مَیں نے

جو فتوٰی دینا تھا وہ دے دیا ہے" یہ تھا دَورِ حاضر میں اُمّت اسلامیہ کا بطلِ جلیل نابینا عالمِ دین شیخ عبداللہ ابن باز رحمہ اللہ کا عالمِ عرب میں سب سے بڑی حکومت سعودی عربیہ کو دو ٹوک مومنانہ جواب جس سے اباضیہ کا کفرو دجل پُورے عالم پر آشکارا ہو گیا۔

ذرائع کے مطابق عمانی حکومت ہندوؤں کو خصوصی درجہ دیتی ہے۔ بھارت سے باقاعدہ ترغیب دے کر ہندوؤں کو بلوایا گیا ہے اور انہیں عمان کی شہریت دی گئی ہے۔ یہ ہندو اب مقامی عربوں میں گھل مل چکے ہیں اور اُنہیں عربوں کی طرح ہی عمان میں مستحکم تجارتی حیثیّت حاصل ہے۔ اپنا لباس، وضع قطع اور طرزِ معاشرت اختیار کر رکھی ہے ان میں بعض ملکی سطح پر مشہور ہیں جن میں سیّد کے ایم جی رام داس، سید و کو سیدالکو، سید بھاریہ اور سید دیداس وغیرہ شامل ہیں تعجّب خیز بات یہ ہے کہ عمان میں اُنہیں نہایت احترام سے سید کا خطاب دیا جاتا ہے جو صرف مُسلمان کے لیے مخصوص ہے۔ بعض حلقوں نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ کہیں سماجی اعتبار سے مُسلمانوں کے ہم پلّہ یہ ہندو عمان کی مساجد میں امامت بھی نہ کراتے ہوں، کیونکہ ان کی وضع قطع مقامی عربوں سے سرمو مختلف نہیں جبکہ جمعہ کا خطبہ ویسے ہی حکومت کی طرف سے تحریری شکل میں مہیّا کیا جاتا ہے جسے کوئی بھی عربی خواندہ شخص باآسانی پڑھ کر سُنا سکتا ہے۔

مزید برآں عمان کا تمام مالیاتی نظام اور سرکاری نجی کاروبار و تجارت سود پر قائم ہے حکومت کاروباری اداروں اور عوام کو سود پر قرضے فراہم کرتی ہے لیکن دوسری طرف یہی حکومت عمان میں ہندو سرمایہ کاروں سے بھاری شرح منافع پر سودی قرضے لیتی ہے جو ایک مالدار مُسلمان خلیجی ریاست کے حوالے سے انتہائی حیرت کا باعث ہے دوسری طرف عمان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ یا تحریک چلانے کی بات کرنے والوں کو پہلے ہی مرحلے میں متشددین، متمردین، مطوعین، مشاوزین کی اصطلاحات سے نوازتے ہُوئے سختی سے کچل دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں سلطنت عمان کے حکومت مصر کے ساتھ خُصوصی روابط دیگر بہت سے پہلوؤں کو بھی آشکارا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے اور کسی اسلامی تحریک کا نعرہ بلند کرنے والوں کے لیے خوفناک عقوبت خانے قائم کیے گئے ہیں جن میں رمیس جیل خوفناک ایذا رسانی اور تشدد کی وجہ سے انتہائی مشہور ہے۔

عمان میں جہاد کو انتہائی حساس موضوع سمجھا جاتا ہے اور اس پر کسی بھی قسم کی گفت و شنید اور اس کی نشر و اشاعت سرکاری طور پر ممنوع ہے جہاد کے موضوع پہ کوئی بھی شخص جلسہ، تقریر یا ترغیب نہیں دے سکتا

عام مُسلمانوں کو مدارس بنانے کی اجازت نہیں ہے، البتّہ مسقط میں محمد بن احمد الخلیلی کا قائم کردہ صرف ایک مدرسہ ہے جہاں اباضی عقائد کے مطابق مذہبی تعلیم دی جاتی ہے۔ ذرائع نے بتایا کہ مغربی قوّتوں کی ایماء پر دانستہ مدارس کے قیام کی اجازت ممنوع قرار دی گئی ہے کیونکہ اس طرح اُنہیں خدشہ ہے کہ قرآن وحدیث سے ثابت شُدہ جہاد کا موضوع عمان کے عرب نوجوانوں میں بھی جذبہ جہاد بیدار کر دے گا۔ جس سے اُن کے مذموم عزائم خاک میں مل جائیں گے۔ ملکی سطح پر جہاد کے موضوع پہ بات کرنا تقریر کرنا، جلسہ کرنا اور لوگوں کو اسکی ترغیب دینا نہ صرف سختی سے ممنوع ہے بلکہ کسی عالمی جہادی تنظیم یا مجاہدین کی مالی معاونت کرنا بھی ایک سنگین جرم کہلاتا ہے۔ کچھ عرصہ قبل عمان آنے والے ایک غیر ملکی عالمِ دین نے ایک مسجد میں نماز پڑھاتے ہُوئے بعض جہادی آیات تلاوت فرما دیں، نمازِ عشاء کے فوری بعد عمان کی خفیہ پولیس کے اہلکاروں نے اُنہیں روک لیا اور ان سے کہا کہ آپ نے فجر، مغرب اور عشاء تینوں نمازوں میں قرآن کی جہادی آیات تلاوت کی ہیں، آپ کو خبردار کیا جاتا ہے کہ یہاں ایسا کرنا سختی سے ممنوع ہے، مقامی عرب چونکہ اہلِ زبان ہیں لہٰذا آپ قرآن کی قاتلون، یقاتلون اور یقتلون پر مشتمل آیات کی جگہ الم ترکیف اور لایلٰف قریش وغیرہ جیسی آیات پڑھا کریں تاکہ حکومت امان کے لیے خطرات پیدا نہ ہوں۔

ذرائع کے مطابق پُورے عمان میں بمشکل تین چار حفاظ قرآن ہیں، ان کے علاوہ کوئی بھی بڑے سے بڑا عالم اور مفتی قرآن پاک کا حافظ نہیں جس کی بنیادی وجہ عمان میں دینی مدارس کا عدم وجود ہے اس سے نسبتاً صحیح العقیدہ مُسلمان ملکوں میں مدارس کے خلاف چلائی جانے والی مغربی قوتوں کی حالیہ پروپیگنڈہ مہم کی غرض و غایت بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ یہ سکہ بند اسلام دُشمن پُوری اسلامی دُنیا بالخصوص پاکستان میں دینی مدارس کے خلاف اس شدّ ومد سے کیوں اربوں ڈالر کا ضیاع کرتے ہُوئے ڈس انفارمیشن پھیلا رہی ہیں۔

ذرائع نے مزید انکشاف کیا کہ عمانی فوج میں ڈاڑھی رکھنے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اور اب تازہ احکامات ملنے کے بعد تمام فوجی اہلکاروں نے اپنی ڈاڑھیاں مُنڈھوا دی ہیں اور کلین شیو ہوگئے ہیں۔ ذرائع کے مطابق سلطان قابوس کی قبل ازیں خود ناف تک ڈاڑھی دراز تھی، مگر پھر اچانک اُنھوں نے اپنی خُوب صُورت ڈاڑھی منڈھوا دی بعد میں نامعلوم وجوہ کی بناء پر دوبارہ ڈاڑھی رکھ لی۔ تاہم اب ان کی ڈاڑھی صرف نشان کی حد تک ہے ذرائع نے بتایا کہ عمانی فوج کے بعض سینئر افسران نے سلطان قابوس کے دوبارہ ڈاڑھی رکھنے پر اعتراض کیا جس کے بعد فوج میں میجر رینک تک کے افسران کو ڈاڑھی کی اجازت دی گئی ہے لیکن وہ بھی صرف نشان کی

حد تک ڈاڑھی رکھ سکیں گے جبکہ میجر سے نچلی سطح تک تمام فوجی اہلکاروں پر ڈاڑھی نہ رکھنے کی قانوناً پابندی برقرار ہے۔

علاوہ ازیں عمان کے دو انتہائی قدیم اور اہم شہر نزدی اور بھلا عرصہ دراز سے اباضیوں کے گڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں ان دونوں شہروں میں سحر اور تعویز و ٹوٹکوں کا کاروبار عروج پر ہے۔ یہاں اکثر اباضی عاملین "زاد" کے نام سے اپنی سفلی محفلیں سجاتے ہیں ان عاملین کے پاس دوبئی، بحرین قطر اور سعودی عرب سمیت مختلف ممالک سے ضعیف الاعتقاد لوگ تعویذ اور جادو ٹونے کے لیے آتے ہیں اکثر عاملین کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کسی عمل سے قبل ایک بکرا ذبح کرکے اُس کا خون خود پی لیتے ہیں اور گوشت حاضرین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں سائل کو کوئی شیطانی تعویذ لکھ کر دے دیا جاتا ہے جس کی قیمت پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک وصول کی جاتی ہے بسا اوقات یہ عمانی زنجبار افریقہ، الجزائر، مصر اور بھارت سے بھی کافر اور ہندو ساحروں اور جادوگروں کو عمان بلواتے ہیں جہاں ان کی من پسند خواہشات کی تکمیل کی جاتی ہے۔ ذرائع کے مطابق ایسے تمام شیطان صفت عاملین کو حکومت عمان نے مکمل چھوٹ دی ہوئی ہے جبکہ دوسری طرف صحیح العقیدہ مسلمان علماء، فضلاء، اور بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان کے حفاظ کرام اور ائمہ حضرات کو بلاجواز تنگ کیا جاتا ہے اُنھیں گرفتار کرکے تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اُنھیں ہر وقت ہراساں کیا جاتا ہے، اکثر یہ بیگناہ بغیر کسی جرم کے مہینوں جیلوں میں محبوس رہتے ہیں، لیکن اباضیوں کے مطوعی، عمانی ساحر اور اُن کے ہم عقیدہ ہم نسل جو فساد پھیلا رہے ہیں حکومت اس سے نہ صرف صرفِ نظر کرتی ہے بلکہ اُنھیں ہم وطن کہتے ہوئے اعلیٰ رہائش اور دیگر سہولتیں مہیّا کی جاتی ہیں۔ یہ ایک عجیب طرفہ تماشا ہے کہ ہر پہلو سے خلافِ اسلام اعمال و افعال کے مرتکبین پر ایک اسلامی ریاست کہلانے والی عرب حکومت کی جانب سے عنایات اور انعامات و اکرام کی بارشیں ہیں۔ دوسری طرف قرآن پاک کے حاملین و عامل، خدا ترس علماء و فضلاء، مساجد آباد کرنے والوں اور قال اللہ و قال الرسول کا درس دینے والوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ ان درویشوں کو غریب الوطن کہتے ہوئے ہر ناروا سلوک کا مستحق گردانا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ آج امریکہ جیسے بدمعاش، برطانیہ جیسے عیّار و شاطر، روس جیسے سفاک ملحد اور بھارت جیسے کم ظرف اور گھٹیا اسلام دشمنوں نے بھی اپنے ممالک میں اسلام کی بنیاد نماز اور اذان پر کوئی قدغن یا پابندی لگانے کی جرأت نہیں کی مگر وائے حسرت! آج چشمِ فلک خود ایک اسلامی ریاست میں صحیح العقیدہ مسلمانوں پر امامت، اقامت اور اذان جیسے مسلمہ اسلامی حقوق کی بندش کا نظارہ کر رہی ہے۔

ذرائع کے مطابق اباضیوں کی طرف سے دُنیاءِ اسلام کے خلاف پیہم کوششوں اور ریاستی اقدامات سے عمان میں مساجد دن بدن ویران ہوتی جا رہی ہیں اور صحیح العقیدہ دیندار مُسلمانوں کے بچّوں کی دینی تعلیم تعطل کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

متذکرہ بالا معتبر حقائق اور واقعات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ ایران کی رافضی اور عمان کی اباضی (خوارجی) حکومتیں باہمی گٹھ جوڑ سے ایک مرتبہ پھر اُمّت مسلمہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کے لیے اپنی مکروہ اور شرمناک کارروائیوں کا آغاز کر چکی ہیں جن کے تحت تقلید مغرب یہود و نصاریٰ کی خوشنودی، مذاہب اربعہ کی بیخ کنی، مذہبی رجحانات کا استیصال اور ارکان اسلام نماز، جہاد اور پردے و حجاب کے خاتمہ کے لیے بھرپُور کوششیں اور عیّاشی و فحاشی کے فروغ سمیت "بعث پارٹی" کے لادین عزائم "عربیت لا اسلامیت" (عربوں کا اتحاد، خواہ یہودی ہوں یا نصاریٰ) کی تکمیل اور غیر عرب صلحاء، عُلماء و فضلاء اور حفاظ و قراء کی بیدخلی کے لیے بھرپُور کوششیں شروع کر دی گئی ہیں اس سنگین اور خوفناک صُورتِ حال میں جبکہ اسلام کے مایہ ناز بطلِ جلیل سعودی عرب کے مفتی اعظم حضرت شیخ عبداللہ ابن باز رحمہ اللہ فرقہ "اباضیہ" کے خلاف مومنانہ فتوایٰ کُفر بھی صادر فرما چکے ہیں مُسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے اہلِ ایمان بھائیوں کے عقائد کے تحفّظ اور ان کی اگلی نسلوں کی دینی بقاء کے لیے روافض و اباضیہ کی عیّارانہ چالوں سے عالمِ اسلام کو باخبر کریں اور ان سازشوں کے بروقت سدِّباب اور قلع قمع کی فکر کریں ورنہ بظاہر قرائن سے قوی احتمال ہے کہ عمان کے بیشتر صحیح العقیدہ مُسلمانوں کی آئندہ نسلیں بھی روافض و اباضیہ کی طرح گمراہی کے عمیق گڑھوں میں جا پڑیں گی۔ اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو بیداری اور جذبہ نصیب فرماویں۔ آمین۔

بزمِ قارئین

مدیرِ اعلیٰ کے نام علمی اشکال پر مشتمل خط اور اُس کا جواب

قابلِ صد واجب الاحترام سید محمود میاں صاحب مدیرِ اعلیٰ "انوارِ مدینہ"

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ خیریت طرفین صورت احوال آنکہ راقم نے صرف دو دوستوں کے ہمراہ پبلک لائبریری کی بُنیاد رکھی جو بحمد اللہ آپ جیسے اہلِ ذوق احباب کی وجہ سے بہترین درسگاہ کی شکل اختیار کر گئی ہے ــــ الحمد للہ بہت علمی رسائل "بیّنات" "البلاغ" "حق چار یار" "خلافت راشدہ" کے ساتھ ساتھ اَب انوارِ مدینہ کا بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ رسالہ ماشاء اللہ اسم بامسمّٰی ہے۔ ہر مضمون اپنے عنوان پر لاجواب تھا۔ اس حقیر نے ایک ہی نشست میں پورا رسالہ پڑھ ڈالا۔

رجال لا تلھیھم الخ، دین کے قواعد، حاصل مطالعہ اور ماہ صفر کے عنوان سے تحریریں بہت زیادہ پسند آئیں اور "حضرت اقدس سے آخری ملاقات" پروفیسر محمد اسلم صاحب کا مضمون کا تو جواب ہی نہ تھا بیک وقت کئی مضامین کا احاطہ کر دیا گیا۔ علامہ ابن جریر طبری کے متعلق مَیں نے کئی علماء سے سُن رکھا تھا کہ وہ شیعہ تھے محدث ربّانی کے ملفوظات سے یہ اشکال دُور ہو گیا پھر حیات النبی کے متعلق حضرت مدنی کا واقعہ "یا ابنی" ایمان کی پختگی کا سبب لیے ہوئے تھا۔ ردِ غیر مقلدین کے حوالے سے بھی یہ مضمون اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت سعید بن مسیبؒ کا واقعہ لکھتے ہوئے پروفیسر اسلم صاحب نے فرمایا کہ محدّث کبیر نے حوالہ صرف ریاض النضرۃ کا دیا راقم نے کسی جگہ پر مشکوۃ شریف کا حوالہ پڑھا تھا۔ بہرحال علاوہ ازیں امام دارمی نے اپنی سنن میں بھی یہ روایت لکھی ہے مظاہر حق ص ۱/۵۴۳ دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۲/۲۸۷ اور شیخ محقق نے جذب القلوب میں بھی یہ روایت درج کی ہے یہ بات تو بہرحال ضمناً آ گئی اور ضروری بات جس کے لیے جوابی لفافہ بھی بھیج رہا ہوں۔ پوچھنا چاہتا ہوں کہ پروفیسر مرحوم کہتے ہیں کہ علّامہ حامد میاںؒ نے السّلام علیکم کے حوالے سے فرمایا کہ جب ہم کسی فرشتے یا پیغمبر جو کہ معصوم ہوتے ہیں کا نام لیتے ہیں تو علیہ السلام کہتے ہیں

اور جب کسی بزرگ کا نام لیتے ہیں تو رحمۃ اللہ کہتے ہیں۔ اس حقیر پُر تقصیر کے ذہن میں یہ بات آگئی ہے کہ جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں السّلام علیک ایھا النّبی ورحمۃ اللہ الخ وہاں نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو رحمۃ اللہ کہتے ہیں ایسے نماز جنازہ میں درُود پڑھتے وقت اللھم صل علی . . . . وبَارکت وَرحمت وترحمت کہتے ہیں۔ براہِ کرم جواباً ارشاد فرمائیں کہ اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ بات تو بہر حال متحقق ہے کہ شیخ ربانی نے بھی کسی حوالے سے ہی بات کی ہوگی لیکن میرے ذہن میں بہر حال خلجان موجود ہے۔

اُمّید ہے کہ سلسلۂ شفقت جاری رکھیں گے۔

والسّلام

محمّد منیر شاہد خاکپائے عُلمائے حق

باسمہ تعالیٰ

محترم و مکرم زاد اللہ لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ غالباً فروری یا جون میں آپکا محبت نامہ ملا تھا "انوار مدینہ" پر آپکی رائے سے حوصلہ افزائی ہوئی یقیناً یہ سب کچھ آپ جیسے مخلصین کی دعاؤں کا ثمرہ ہی ہے۔

"السلام علیہ" سے متعلق آپ نے ایک خلجان ذکر فرمایا ہے اسی وقت آپکو جواب لکھنے کی فکر میں تھا اور چاہتا تھا کہ کسی مستند کتاب سے اسکی خاص جزئیہ مل جائے تو بات باحوالہ ہو جائے گی مگر اس جزئیہ کے متعلق کوئی بات تاحال نظر سے نہیں گزری نیز ان دنوں جامعہ مدنیہ کے سنگ بنیاد کی تقریب کے سلسلہ میں اس سے پہلے اور بعد تک کئی روز بہت ہی مصروفیت رہی اس لئے بھی جواب میں غیر معمولی تاخیر ہوتی چلی گئی مگر آپ بدستور انتظار کی کوفت سے گزرے ہونگے اس لئے بندہ بہت ہی زیادہ معافی کا خواستگار ہے امید ہے کہ درگزر فرمائیں گے۔ مستند کتابوں میں ممکن ہے کہیں جگہ اسکا تذکرہ آیا ہو بوجہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے انکا تتبع نہیں کر سکا۔

— [illegible] کا ایک جواب جو بندہ کے ذہن میں آیا ہے یہ ہے کہ "علیہ السلام"
اور "رحمۃ اللہ علیہ" کی نبی اور غیر نبی کے لیے تقسیم شرعی اور نصی معلوم نہیں ہوتی
ہے اور صالحین امت میں اس کو قبولیت عامہ حاصل ہو گئی ہے کثرت استعمال کی
وجہ سے یہ عرفی تقسیم ہو گئی شرعی نہ ہوئی قرآن و حدیث میں نبی اور غیر نبی کے لیے
اس قسم کی تقسیم و تخصیص کا صراحتاً کہیں تذکرہ نہیں ہے مگر شریعت لغت
سے واقع ہر عرف کا اعتبار کرتی ہے اس لیے اس درجہ میں یہ شرعی بھی ہو گئی۔

لہٰذا جہاں نبی اور غیر نبی میں اشتباہ کا اندیشہ نہ ہو وہاں ایک کا دوسرے
کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے بلکہ اکابرین امت میں بعض نے اپنی
تصانیف میں اہل بیت کے لیے مثلاً حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ اور حضرات
حسنین کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام لکھا ہے نیز ازواج رسول، حضرت
مریم، حضرت حوا، حضرت ہاجرہ، حضرت سارہ علیہم السلام کے ناموں
کے ساتھ اس کا استعمال تو عام زبانوں پر جاری ہے اسی طرح ملائکہ
کے لیے بھی عام استعمال ہے نیز مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کے
وقت ملاقات سلام کہتے ہیں اس کے ساتھ رحمت اور برکت کے اضافہ
کو مستحب کہا گیا ہے قرآن پاک میں ہے فحیوا باحسن منھا او
ردوھا۔ نبی علیہ السلام اپنے صحابہ پر اور صحابہ نبی علیہ السلام پر سلام
کے وقت کثرت سے سلام اور اس کے جواب کا اہتمام کرتے تھے لہٰذا انبیاء
تا کہ عوام نبیوں پر "رحمۃ اللہ" اور "برکاتہ" کا لفظ بولا جا سکتا ہے مسلمانوں میں
اس کی ممانعت نہیں ہے

ہاں البتہ مستثنیات کے کہ وہاں شرعاً اور عرفاً دونوں طرح استعمال کیا جائے گا
جیسے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ...... البتہ جہاں نبی اور غیر نبی میں
اشتباہ کا اندیشہ ہو وہاں "علیہ السلام" کا لفظ غیر نبی کے لیے اور رحمۃ اللہ کا

لفظ نبی کے لیے استعمال کرنا بلاشبہ ناجائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ایک تحریر حوالہ یہ بھی ہے کہ نبی کے لئے ہیں علیہ السلام اور رحمۃ اللہ وبرکاتہ بطور خبر یقین کے ساتھ کہا جاتا تھا بلکہ انسانوں میں غیر نبی کے لئے اسکا استعمال بطور دعاء اور انشاء کے ہے۔

انوار مدینہ کے مضمون بعنوان "حضرت اقدس سے میری آخری ملاقات" میں جو بات آپ نے حضرت اقدس والد گرامی نور اللہ مرقدہ کے حوالہ سے ذکر فرمائی ہے وہ ایک ظریفانہ بات ہے نہ کہ شرعی حکم۔ میرا یہ جواب اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے ورنہ بندہ کی جانب سے۔ اگر اس سے بہتر کوئی جواب آپکو معلوم ہو تو وہی درست سمجھیں اور بندہ کو بھی مطلع فرمائیں۔ ممنون ہونگا۔ پرسان احوال کی خدمت میں سلام اور دعاء کی درخواست

خط کی وصولی سے مطلع فرمائیں
تو بہتر ہوگا۔

والسلام

خواستگار دعاء۔

[signature]

۸ رشوال ۱۴۲۱ھ

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : جوابِ مقالہ

تصنیف : مولانا عبدالقدوس قارن

صفحات : ۱۷۲

سائز : ۲۳×۳۶/۱۶

ناشر : عمر اکادمی نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قیمت : ۳۵ روپے

"اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دے تو اُس کی بیوی پر وہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے" یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام صحابہ تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ، محدثین بشمول حضرت امام بخاریؒ اور جمہور اُمّت کا اجماع و اتّفاق ہے، بد قسمتی سے غیر مقلدین حضرات جو قرآن و حدیث کو اپنی مرضی کے مطابق سمجھنے کے قائل اور اجماع و قیاس کے منکر ہیں۔ وہ تنکہ کا سہارا لے کر اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں اور روافض کی طرح ایک مجلس میں واقع ہونے والی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں۔

ایک مجلس کی تین طلاقوں کو بزعم خویش ایک ثابت کرنے کے لیے غیر مقلدین حضرات نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں حال ہی میں گوجرانوالہ کے ایک غیر مقلد عالم مولوی محمد امین صاحب محمدی نے اپنے ایک مدرسہ میں اس موضوع پر مقالہ پڑھا جس میں اُنھوں نے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر کی کتاب عمدۃ الاثاث کو ہدفِ تنقید بنایا اور آنکہ پدر نہ کرد پسر تمام کند کے مصداق ایک نئی بات یہ پیش فرمائی کہ "طلاقیں تین نہیں بلکہ صرف ایک ہی ہے۔" زیرِ نظر کتاب "جوابِ مقالہ" مولوی محمد امین محمدی صاحب کے اسی مقالہ کا مدلّل جواب ہے جو

حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب دامت برکاتہم کے خلف الرشید مولانا عبدالقدوس قارن نے تحریر فرمایا ہے
موجودہ دَور میں چونکہ غیر مقلدین حضرات اس مسئلہ کو خُوب ہَوا دے رہے ہیں اور عوام النّاس کو حدیث کی آڑ میں گمراہ کر رہے ہیں اس لیے "عمدۃ الاثاث" اور "جوابِ مقالہ" کا اُن کے پاس ہونا اور اُن کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

○

نام کتاب : نفحات العنبر فی خطب المنبر (عربی)

تالیف : فضیلۃ الشیخ ابوطاہر محمد اسحاق خان المدنی

صفحات : ۲۲۷

سائز : ۲۰×۳۰/۸

ناشر : دارالعلوم اسلامیہ پلندری آزاد کشمیر

قیمت : ۵۰۰/-

زیرِ نظر کتاب "نفحات العنبر" حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب زید مجدہم کے اُن خطبوں کا مجموعہ ہے جو آپ نے "دبئی" کی جامع مسجد میں پڑھے یہ کل اٹھاون خطبے ہیں جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں، حضرت مولانا نے اس کتاب میں ہر اسلامی مہینہ کی مناسبت سے چار چار خطبے درج فرمائے ہیں آخر میں مختلف عنوانات سے متعلّق دس خطبوں کا اضافہ فرمایا ہے، یہ خطبے چونکہ عربوں کے سامنے پڑھے گئے ہیں اس لیے سب عربی زبان میں ہیں حضرت مولانا نے ان خطبات میں اہلِ عرب کے سامنے دینِ متین کی صحیح اور سچّی تصویر پیش کی ہے اندازِ بیان نہایت صاف و شُستہ اور آیات و احادیثِ مُبارکہ سے مبرہن و مدلّل ہے۔

کتاب کی کتابت و طباعت عمدہ ہے، ڈبل کلر میں طباعت کی گئی ہے، جلد نہایت خُوب صُورت ہے اگر اِس کتاب کا اُردو میں ترجمہ کر دیا جائے تو اچھا ہے تاکہ عربوں کے ساتھ ساتھ اُردو دان بھی کماحقہ استفادہ کر سکیں۔

○

نام کتاب : اسماء اللہ عزّ وجلّ قرآن و حدیث کے مطابق

تصنیف : رشید اللہ یعقوب صاحب

صفحات : ۲۵۶

سائز : ۲۳×۳۶/۱۶

ناشر : رحمۃ للعٰلمین ریسرچ سینٹر مکان ۸/۱ زمزمہ اسٹریٹ ۳۲ زمزمہ کلفٹن کراچی

قیمت : صدقۂ جاریہ

زیرِ تبصرہ کتاب " اسماء اللہ عزّ وجل " اللہ تعالیٰ کے اسماءِ مبارکہ سے متعلّق ایک تحقیقی کتاب ہے جس میں مصنّف نے اسماء حسنیٰ سے متعلّق مختلف اُمور پر تحقیق پیش کی ہے۔ مصنّف نے اس کتاب کو آٹھ ابواب پر تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ باب اوّل قرآن مجید میں اسماء اللہ عزّ وجل کا ذکر، باب دوم، اسماء اللہ عزّ وَجَلّ پر احادیث نبوی، باب سوم لفظ احصاھا و حفظھا کی تشریح، باب چہارم تفصیلِ احادیث جن میں اسماء اللہ عزّ وَجَلّ کا ذکر ہے باب پنجم کیا اللہ تعالیٰ کے صرف ۹۹ نام ہیں۔ باب ششم اسم اعظم باب ہفتم قرآن کریم و احادیث سے ماخوذ اسماء اللہ عزّ وَجَلّ باب ہشتم قرآن کریم سے ماخوذ اسماء اللہ عزّ وَجَلّ

کتاب کی کتابت و طباعت مصنّف زید مجدہم کے نہایت خوبصورت ذوق کی آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنّف کی محنت کو قبول فرما کر مزید کی توفیق عطا فرمائیں۔

○

نام کتاب : فتنۂ قادیانیت کو پہچانیے

تصنیف : محمّد طاہر رزاق

صفحات : ۴۸۰

سائز : ۲۳×۳۶/۱۶

ناشر : عالمی مجلس تحفّظِ ختمِ نبوّت حضوری باغ روڈ ملتان

قیمت : ۱۵۰/-

جناب طاہر رزاق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تحریری طور پر قادیانی فتنہ کے استیصال کے لیے منتخب فرمایا ہے چنانچہ وہ مستقل اس فتنہ کی سرکوبی میں مصروف ہیں زیرِ نظر کتاب " فتنۂ قادیانیت کو پہچانیے " اس سلسلہ میں اُن کی ایک نئی کاوش ہے اس کتاب میں آپ نے مختلف مسالک کے عُلماء کی مختلف عنوانات سے تحریرات جمع کی ہیں، فتنۂ قادیانیت کو سمجھنے اور اُس سے بچنے کے لیے یہ تحریرات بہت مفید و کار آمد ہیں۔ اللہ تعالیٰ جناب طاہر صاحب کی محنت کو قبول فرما کر مزید کی توفیق عطا فرمائیں۔

○

نام کتاب : قادیانیت کُش

تالیف : محمدّطاہر رزاق

صفحات : ۱۶۸

سائز : ۲۳×۳۶/۱۶

ناشر : عالمی مجلس تحفّظِ ختمِ نبوّت ملتان

قیمت : ۸۰/-

زیرِ نظر کتاب "قادیانیت کش" بھی جناب طاہر رزاق صاحب کی فتنۂ قادیانیت سے متعلّق کتاب ہے اس میں آپ نے مرزا قادیانی اور اُس کی ذرّیت کے بارے میں مختلف عنوانات سے بہت سا مواد پیش کیا ہے، ردِّ قادیانیت سے متعلّق احباب کے لیے جناب طاہر رزاق صاحب کی دیگر کُتب کی طرح یہ کتاب بھی نہایت مفید و کارآمد ہے۔

نام کتاب : فرائض والدین

تصنیف : مولانا قاضی ارشد الحسینی مدظلہ

صفحات : ۱۲۸

ناشر : خانقاہ مدنی دار الارشاد اٹک

قیمت : درج نہیں

آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ ہر دوسرا تیسرا فرد اولاد کی طرف سے پریشان ہے، کیوں ؟ اولاد نافرمان ہے کہنا نہیں مانتی، سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے ؟ سیدھی سی بات ہے کہ ہر شخص یہ تو چاہتا ہے کہ اولاد فرمانبردار ہو لیکن اولاد کے فرمانبردار ہونے کے لیے جس قسم کی تربیت کی ضرورت ہے وہ کوئی نہیں کرتا، زیرِ نظر کتاب میں والدین کو بتلایا گیا ہے کہ اولاد کے نیک و صالح بننے کے لیے والدین کے ذمّہ کچھ فرائض ہیں جن کی ادائیگی سے اولاد نیک و صالح بن سکتی ہے۔

نام کتاب : ظلِ رحمانی

تالیف : حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رح

صفحات : ۷۰

ناشر : دارالارشاد مدنی روڈ اٹک شہر

قیمت : ۲۵/

پیشِ نظر کتاب "ظلِ رحمانی" میں حضرت مصنّف علیہ الرحمہ نے جہنّم کی آگ اور اُس کی ہولناکیوں کا تذکرہ فرماکر اس سے بچنے کی جو صُورتیں کتاب و سُنّت میں مذکور ہیں سہل و دل نشین انداز میں اُنھیں ذکر فرمایا ہے۔ عوام النّاس کے لیے یہ کتاب فکرِ آخرت کے لحاظ سے نہایت مفید ہے۔

○

نام کتاب : فقہی جواہر

افادات : مولانا مفتی عمر فاروق صاحب

ترتیب : حافظ محمّد قاسم

صفحات : ۶۴

ناشر : القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ رض خالق آباد نوشہرہ

قیمت : ۴۵/

زیرِ نظر کتاب میں مفتی عُمر فاروق صاحب کے چند علمی و فقہی مقالات کو جمع کیا گیا ہے یہ مقالات جامعہ ابوہریرہ رض کے ترجمان ماہنامہ القاسم میں قسط وار شائع ہوتے رہے ہیں۔ انہی مقالات کو مستقل کتابی شکل میں جمع کرکے عوام النّاس کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ رسالہ چونکہ بہت ہی مختصر ہے اس لحاظ سے قیمت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔

(ن ـــــ ا)

اخبار و احوال جامعہ مدنیہ (جدید)

محمد آباد رائے ونڈ روڈ لاہور

○ ۲۳ر نومبر، بعد عشاء حزب التحریر کے کارکن، مہتمم جامعہ جدید حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم سے ملاقات کے لیے تشریف لائے نظام خلافت سے متعلّق حزب کے مقاصد اور دیگر اُمور پر گفتگو ہوئی اس مجلس میں جناب شیخ احمد زبیدی شامی صاحب بھی موجود تھے رات ۱۲ بجے مجلس برخاست ہوئی۔

○ ۲۹ر دسمبر، عید کے روز بہت سے مہمان حضرات، عُلماء کرام مجاہدین اور دیگر شخصیات تہنیت عید کے لیے تشریف لائے۔ مولانا مسعود اظہر صاحب کے ساتھ رہا ہونے والے عظیم کمانڈر جناب شیخ عمر صاحب بھی تشریف لائے۔ کچھ دن پہلے رمضان المبارک میں اُن کے والد صاحب بھی حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے۔

○ ۳۰ر دسمبر، حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم، حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم کی معیّت میں حضرت مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ میں شرکت کے لیے فیصل آباد تشریف لے گئے۔ مغرب کے وقت بخیریت واپسی ہوئی۔

○ ۵ر جنوری، صبح ۹ بجے دار العلوم کہروڑ پکا کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے۔ حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ ایک گھنٹہ تک مختلف اُمور پر تبادلہ خیال ہُوا۔

۱۱ بجے جامعہ جدید کے معاون خصوصی جناب حسام الدّین صاحب تشریف لائے۔ حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ جامعہ کی تعمیر و ترقّی سے متعلّق مختلف اُمور پر گفتگو ہوئی۔

○ ۹ر جنوری، جامعہ جدید کے قدیم خیر خواہ جناب یامین مرزا صاحب مکہ مکرّمہ سے حضرت مہتمم صاحب کی دعوت پر تشریف لائے عشاء کے بعد کھانا ہُوا۔

اسی طرح عشاء کے بعد مولانا زاہد محمود قاسمی چیئرمین سپاہ صحابہ فیصل آباد سے تشریف لائے اور اور حضرت مولانا ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے تعزیتی جلسہ میں شرکت کا دعوت نامہ بھی دیا۔ نیز جامعہ جدید کے معاون خُصوصی جناب جاوید اختر صاحب کراچی سے تشریف لائے، جناب حافظ مجاہد صاحب بھی ہمراہ تھے۔

○ ۱۲ جنوری، فاضل دار العلوم دیوبند حضرت مولانا احمد حسن صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے جامعہ جدید کے لیے نیک تمناؤں کا اظہار فرمایا اور دُعائیں دیں۔ مولانا موصوف بانی جامعہ حضرت اقدس مولانا السیدّ حامد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کے دار العلوم دیوبند میں ہم سبق رہے ہیں۔

○ ۱۹ جنوری، جناب فرید احمد صاحب جو کراچی سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی دعوت پر تشریف لائے۔ جمعہ کے بعد کھانا ہوا۔

رات ۱۰ بجے کراچی سے بھائی آفتاب صاحب تشریف لائے۔ جامعہ کی تعمیر و ترقی کے بارے میں حضرت مہتمم صاحب سے گفتگو ہوئی صُبح بخیریت واپسی ہوئی۔

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی امور

(1) مسجد حامد کی تکمیل

(2) طلباء کے لئے دار الاقامہ (ہوسٹل) اور درسگاہیں

(3) کتب خانہ اور کتابیں

(4) پانی کی ٹنکی

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اجر ہے

(ادارہ)

جامعہ مدنیہ (جدید) رائے ونڈ روڈ کی زیرِ تعمیر مسجد حامدؒ کا ماڈل، محراب کی جانب سے خوبصورت منظر